الرسالہ

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

کسی کو ستانا بہت بڑا جرم ہے اور اس سے بھی
زیادہ بڑا جرم یہ ہے کہ کسی کو ناحق ستایا جائے

اگست ۱۹۸۶
شمارہ ۱۱۷

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

اللہ اکبر	40/-
تذکیر القرآن جلد اوّل	80/-
الاسلام	25/-
مذہب اور جدید چیلنج	25/-
ظہورِ اسلام	25/-
احیاءِ اسلام	20/-
پیغمبرِ انقلاب	30/-
سوشلزم اور اسلام	25/-
صراط مستقیم	25/-
اسلامی زندگی	20/-
اسلام اور عصر حاضر	20/-
دین کیا ہے	3/-
قرآن کا مطلوب انسان	6/-
تجدید دین	4/-
اسلام دینِ فطرت	4/-
تعمیرِ ملت	4/-
تاریخ کا سبق	4/-
مذہب اور سائنس	6/-
عقلیاتِ اسلام	4/-
فسادات کا مسئلہ	2/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	2/-
تعارف اسلام	4/-
اسلام پندرھویں صدی میں	4/-
راہیں بند نہیں	4/-
ایمانی طاقت	4/-
اتحادِ ملت	4/-
سبق آموز واقعات	4/-
زلزلۂ قیامت	5/-
حقیقت کی تلاش	4/-
پیغمبر اسلام	4/-
حقیقتِ حج	4/-
آخری سفر	4/-
اسلامی دعوت	4/-
خدا اور انسان	4/-
حل یہاں ہے	6/-
سچا راستہ	2/-
دینی تعلیم	4/-
حیاتِ طیبہ	4/-
باغِ جنت	4/-
نارِ جہنم	4/-
تبلیغی تحریک	12/-
دین کی سیاسی تعبیر	10/-
عظمتِ قرآن	25/-

Muhammad: The Prophet of Revolution	50/-
The Way to Find God	4/-
The Teachings of Islam	5/-
The Good Life	5/-
The Garden of Paradise	5/-
The Fire of Hell	5/-
Muhammad: The Ideal Character	4/
Man Know Thyself	4/-

مکتبہ الرسالہ سی - ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُردو ، انگریزی میں شائع ہونے والا

الرسالہ

اسلامی مرکز کا ترجمان

شمارہ ۱۱۷ | اگست ۱۹۸۶

فہرست

مومن و منافق	صفحہ ۲	التائیتجہ	صفحہ ۱۰
فریضۂ شہادت	۳	اسلامی خلافت	۱۱
لگاتار عمل	۴	تذکیر القرآن ۔ جلد دوم	۱۷
دور کا راستہ	۵	جھوٹا نظریہ	۱۸
اور تالا کھل گیا	۶	حج کا عاطفی پہلو	۱۹
اعتبار پیدا کیجئے	۷	حج اور اتحاد	۳۲
خودکشی نہیں	۸	خبرنامہ اسلامی مرکز ۔ ۲۲	۴۴
فرد کی سطح پر	۹	شرائط ایجنسی الرسالہ	۴۸

مومن ومنافق

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں۔ وہ بُری بات کی تعلیم دیتے ہیں اور بھلی بات سے روکتے ہیں (التوبہ ۶۷) دوسری طرف ارشاد ہوا ہے کہ اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ بھلی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں (التوبہ ۷۱) اس بات کو لفظ بدل کر کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ منافق کا منافق کے ساتھ جوڑ بیٹھتا ہے اور مومن کا مومن کے ساتھ جوڑ بیٹھتا ہے، اِن کا مزاج اِن سے ملتا ہے اور اُن کا مزاج اُن سے ملتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق کے دل میں کچھ ہوتا ہے اور زبان پر کچھ، جب کہ مومن کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہی اس کی زبان پر ہوتا ہے۔ منافق کی دلچسپی دنیا اور دنیا کے لوگوں سے ہوتی ہے۔ اور مومن کی دلچسپی خدا اور آخرت سے۔ منافق اپنے آپ کو کسی اصول کا پابند نہیں سمجھتا، جب کہ مومن پورے معنوں میں ایک بااصول انسان ہوتا ہے۔ منافق اپنے کو نمایاں کر کے خوش ہوتا ہے اور مومن کی خوشی اس میں ہوتی ہے کہ وہ تواضع کا رویہ اختیار کرے۔ منافق اپنے معمولی فائدے کی خاطر حقیقت کا انکار کر دیتا ہے، جب کہ مومن اس کو برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ حقیقت کا انکار کرے۔ منافق کی لذت غیر سنجیدہ چیزوں میں ہوتی ہے اور مومن کی لذت صرف سنجیدہ چیزوں میں۔ منافق ہمیشہ مصنوعی باتیں کرتا ہے اور مومن ہمیشہ سچی باتیں۔

سوچ اور مزاج کا یہ فرق مومن اور منافق کے درمیان زبردست فرق پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھی نہیں بن پاتے، ان کا ایک دوسرے سے نباہ نہیں ہوتا۔ مومن مومن سے یا منافق منافق سے جڑے تو ہم مزاج ہونے کی وجہ سے دونوں کا جوڑ بیٹھ جائے گا۔ مگر جب جڑنے والوں میں ایک مومن ہو اور دوسرا منافق تو ان کا مزاجی اختلاف انھیں ایک دوسرے سے متوحش کر دے گا۔ وقتی ملاقات ہو تب بھی انھیں ایک دوسرے سے خوشی حاصل نہ ہوگی۔ مستقل رشتہ قائم ہو تب بھی دونوں کے درمیان اس کا نبھنا سخت دشوار ہو جائے گا۔

مومن اور منافق بظاہر ایک طرح کے ہوتے ہیں مگر مزاج کا فرق دونوں میں اتنا فرق پیدا کر دیتا ہے کہ ایک اگر مشرق کا مسافر بن جاتا ہے تو دوسرا مغرب کا مسافر۔

فریضۂ شہادت

موجودہ دنیا میں امت محمدؐ کا اصل منصبی فریضہ شہادت علی الناس ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ انتم شھداء اللہ فی الارض (تم لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہو)

قرآن کے مختلف مقامات کو ملا کر دیکھنے سے شہادت کا جو مفہوم متعین ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موجودہ دنیا میں انسان کو آزمائش کے لیے رکھا ہے، اس بات کی آزمائش کے لیے کہ وہ حق کا اعتراف کرتا ہے یا نہیں۔ اور اپنی زندگی کو حق کے مطابق ڈھالتا ہے یا نہیں۔

یہ کوئی سادہ سی بات نہیں، یہ انتہائی سنگین بات ہے۔ کیوں کہ اسی کی بنیاد پر آخرت میں انسان کے ابدی مستقبل کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اسی امتحان کی بنیاد پر کچھ لوگ ابدی جنتوں میں جگہ پائیں گے اور کچھ لوگ ابدی طور پر جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اس عمل کا دوسرا نام دعوت اور تبلیغ ہے۔ اس کو شہادت (گواہی) اس لیے کہا گیا ہے کہ دنیا کے دعاۃ آخرت میں خدا کے شہداء (گواہ) ہوں گے۔ جن خدا کے بندوں نے دنیا میں خدا کے سچے دین سے لوگوں کو باخبر کیا ہوگا وہی آخرت کی عدالت میں قوموں کے اوپر گواہ بن کر کھڑے ہوں گے اور بتائیں گے کہ دعوتِ حق کا ردعمل کس نے اقرار کی صورت میں پیش کیا اور کس نے انکار کی صورت میں۔

نصرت اور غلبہ کا وعدہ جو امت مسلمہ سے کیا گیا ہے وہ تمام تر اسی عمل کی ادائیگی پر موقوف ہے۔ مسلمان کارِ شہادت انجام دیں تو وہ دنیا میں سربلند ہوں گے۔ اور اگر وہ کارِ شہادت انجام نہ دیں تو کوئی چیز انھیں ذلت اور ناکامی سے بچا نہیں سکتی۔

کسی آدمی کی زندگی کا جو مقصد ہو اسی کے لحاظ سے اس کا پورا کردار بنتا ہے۔ مسلمان اگر دل سے یہ سمجھیں کہ ان کا اصل کام قوموں کے اوپر خدا کے دین کی گواہی دینا ہے تو ان کا پورا رویہ بدل جائے گا۔ اس کے سوا دوسری تمام باتیں انھیں غیر متعلق نظر آنے لگیں گی۔ دوسری قوموں سے وہ اپنے دنیوی جھگڑے ختم کر دیں گے۔ وہ چاہیں گے کہ یک طرفہ نقصان اٹھا کر دوسری قوموں سے معتدل تعلقات قائم کریں تاکہ انھیں خدا کے دین پر سنجیدہ غور و فکر کے لیے آمادہ کر سکیں۔

لگاتار عمل

کمیونسٹ چین کے سابق چیرمین ماؤزے تنگ نے ایک دلچسپ چینی کہانی لکھی ہے۔

پرانے زمانے میں چین کے شمالی علاقہ میں ایک بوڑھا آدمی رہتا تھا۔ اس کے مکان کی سمت جنوب کی طرف تھی۔ اس بوڑھے آدمی کی مشکل یہ تھی کہ اس کے دروازے کے سامنے دو اونچے اونچے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے۔ ان پہاڑوں کی وجہ سے سورج کی کرنیں اس کے گھر میں کبھی نہ پہونچتی تھیں۔ ایک دن اس بوڑھے آدمی نے اپنے جوان بیٹوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ آؤ ہم اس پہاڑ کو کھود کر یہاں سے ہٹا دیں تاکہ سورج کی کرنیں ہمارے گھر میں بلا روک ٹوک داخل ہو سکیں۔ بوڑھے آدمی کے پڑوسی کو اس کا یہ منصوبہ معلوم ہوا تو وہ اس پر ہنسا۔ اس نے اس بوڑھے آدمی سے کہا: میں یہ جانتا تھا کہ تم ایک بے وقوف آدمی ہو لیکن مجھے یہ گمان نہ تھا کہ تم اتنا زیادہ بے عقل ہو گے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ تم اپنی کھدائی کے ذریعہ ان اونچے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دو۔

بوڑھے آدمی نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا: تمہارا کہنا درست ہے۔ لیکن اگر میں مر گیا تو اس کے بعد میرے بیٹے اس کو کھود دیں گے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے، اور پھر ان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے۔ اس طرح کھدائی کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ تم جانتے ہو کہ پہاڑ آئندہ اور زیادہ بڑے نہیں ہو جائیں گے۔ ہر مزید کھدائی ان کے حجم کو کم کرتی رہے گی۔ اس طرح آج کے دن نہیں تو کسی اگلے دن یہ مصیبت ہمارے گھر کے سامنے سے دور ہو چکی ہو گی۔

یہ کہانی بہت خوبصورتی کے ساتھ بتا رہی ہے کہ بڑی کامیابی کے لیے ہمیشہ بڑا منصوبہ درکار ہوتا ہے۔ اگر آپ اس دنیا میں کوئی بڑی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو بڑے منصوبہ کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے اور ان تمام تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے جو ایک بڑے منصوبہ کو مسلسل چلانے کے لیے ضروری ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسائل کے مقابلہ میں ان کے حل کی طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ مسائل ہمیشہ محدود ہوتے ہیں اور حل ہمیشہ لامحدود۔ اگر آپ حل کی اسکیم کو نسل در نسل چلا سکیں تو آپ ہر پہاڑ کو کاٹ سکتے ہیں اور ہر دریا کو عبور کر سکتے ہیں۔ جو شخص لگاتار عمل کرنے کے لیے تیار ہو اس کے لیے کوئی پہاڑ پہاڑ نہیں اور کوئی دریا دریا نہیں۔

دور کا راستہ

ترقی یافتہ ملکوں میں ٹیلی فون کا نظام نہایت معیاری ہوتا ہے۔ اس کے برعکس غیر ترقی یافتہ ملکوں میں اگرچہ ہر جگہ ٹیلی فون ہے مگر اس کا نظام درست نہیں۔ مثلاً ہندستان میں اگر آپ مقامی ٹیلی فون کریں یا ایک شہر سے دوسرے شہر بات کریں تو طرح طرح کی خرابیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اگر آپ دہلی سے لندن کے کسی نمبر پر ڈائل کریں تو آپ کو فوراً لائن مل جائے گی اور نہایت صاف طور پر گفتگو ہو سکے گی۔

اس سلسلہ میں افریقہ کا ایک لطیفہ اخبار میں نظر سے گزرا۔ افریقہ کے ایک ملک میں کسی عورت نے گوشت کی مقامی دکان پر ٹیلی فون کرنا چاہا۔ کافی دیر تک کوشش کرنے کے باوجود اس کو نمبر نہیں ملا۔ اس عورت کی ماں لندن میں رہتی تھی۔ اس کے بعد اس نے لندن کے ٹیلی فون پر اپنی ماں کا نمبر ڈائل کیا۔ یہ نمبر اس کو فوراً مل گیا۔ اپنی ماں سے بات کرتے ہوئے مذکورہ عورت نے ضمناً کہا کہ وہ گوشت منگوانے کے لیے ایک گھنٹہ سے گوشت کی دکان پر ٹیلی فون ملانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ربط قائم نہ ہو سکا۔ اس کی ماں نے کہا کہ اچھا میں یہاں سے ملاتی ہوں۔ چنانچہ اس کی ماں نے لندن سے افریقہ کی گوشت کی دکان کا ٹیلی فون نمبر ملایا۔ نمبر بلا تاخیر مل گیا۔ افریقہ کی گوشت کی دکان کو جو پیغام مقامی ٹیلی فون سے نہیں پہونچ سکا تھا۔ وہ لندن کے ٹیلی فون سے پہونچ گیا۔

یہ لطیفہ زندگی کی ایک حقیقت کو بتا رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ـــــ کبھی دور کا راستہ عملاً زیادہ قریب ہوتا ہے۔

بیشتر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ منزل پر پہونچنے کے لیے مختصر راستہ تلاش کرتے ہیں۔ وہ اپنے مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو بظاہر جلد نتیجہ کو سامنے لانے والا ہو۔ مگر منزل تک جلد پہونچنے کے لیے صرف "راستہ" کو دیکھنا کافی نہیں ہے بلکہ "سواری" کو دیکھنا بھی ضروری ہے، نتیجہ کو جلد حاصل کرنے کا تعلق صرف ظاہری اسباب سے نہیں ہے بلکہ بہت سے ان دوسرے اسباب سے ہے جو دکھائی نہیں دیتے۔

کبھی دور کا راستہ زیادہ قریب ہوتا ہے اور قریب کا راستہ زیادہ دور بن جاتا ہے۔

اور تالا کھل گیا

اس کی ناکام کوشش اب جھنجلاہٹ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ کافی دیر سے تالے کے ساتھ زور آزمائی کر رہا تھا۔ "کنجی تو بظاہر صحیح ہے۔ یقیناً تالے کے اندر کوئی خرابی ہے جس کی وجہ سے تالا کھل نہیں رہا ہے"، اس نے سوچا۔ اس کا غصہ اب اس درجہ پر پہونچ چکا تھا کہ اگلا مرحلہ صرف یہ تھا کہ تالا کھولنے کے لیے وہ کنجی کے بجائے ہتھوڑے کا استعمال شروع کر دے۔

اتنے میں اس کے میزبان رفیق احمد صاحب آ گئے۔ "کیا تالا نہیں کھل رہا ہے" انھوں نے کنجی اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "اچھا آپ کنجی غلط لگا رہے تھے۔ اصل میں آج ہی میں نے اس کا تالا بدل دیا ہے۔ مگر میں نئی کنجی چھلے میں ڈالنا بھول گیا۔ اس کی کنجی دوسری ہے۔" اس کے بعد انھوں نے جیب سے دوسری کنجی نکالی اور دم بھر میں تالا کھل چکا تھا۔

زمانہ جب بدلتا ہے تو ایسا ہی حال ان لوگوں کا ہو جاتا ہے جو ماضی کی صلاحیت کی بنیاد پر حال کی دنیا میں اپنی قیمت وصول کرنا چاہیں۔ نئے زمانہ میں زندگی کے دروازوں کے تمام تالے بدل چکے ہوتے ہیں۔ مگر وہ پرانی کنجیوں کا گچھا لیے ہوئے نئے تالوں کے ساتھ زور آزمائی کرتے رہتے ہیں۔ اور جب ان کی پرانی کنجیوں سے نئے تالے نہیں کھلتے تو کبھی تالا بنانے والے پر اور کبھی سارے ماحول پر خفا ہوتے ہیں۔ حالاں کہ جب تالے بدل چکے ہوں تو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ پرانی کنجیوں سے نئے تالے کھل جائیں۔

حقیقت نگاری کے دور میں جذباتی تقریریں اور تحریریں، اہلیت کی بنا پر حقوق حاصل کرنے کے دور میں رزرویشن کے مطالبے، تعمیری استحکام کے ذریعہ اوپر اٹھنے کے دور میں جلسوں اور جلوسوں کے ذریعہ قوم کا مستقبل برآمد کرنے کی کوشش، سماجی بنیادوں کی اہمیت کے زمانہ میں سیاسی سودے بازی کے ذریعہ ترقی کے منصوبے، یہ سب اسی کی مثالیں ہیں۔ یہ ماضی کے معیاروں پر حال کی دنیا سے اپنے لیے زندگی کا حق وصول کرنا ہے جو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگوں کا انجام موجودہ دنیا میں صرف یہ ہے کہ وہ نفسیاتی مریض ہو کر رہ جائیں۔ جو کچھ ان کو بربنائے حق نہیں ملا ہے اس کو سمجھیں کہ وہ بربنائے ظلم ان کو نہیں مل رہا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے منفی ذہنیت کا شکار ہو کر رہ جائیں۔

اعتبار پیدا کیجئے

ایک آدمی نے کاروبار شروع کیا۔ اس کے پاس مشکل سے چند سو روپے تھے۔ وہ کپڑے کے ٹکڑے خرید کر لاتا اور پھیری کر کے اس کو فروخت کرتا۔ کچھ کام بڑھا تو اس نے ایک دکان والے سے اجازت لے کر اس کی دکان کے سامنے پٹڑی پر بیٹھنا شروع کر دیا۔

کپڑے کے جس تھوک فروش سے وہ کپڑا خریدتا تھا اس سے اس نے نہایت اصول کا معاملہ کیا۔ دھیرے دھیرے اس تھوک فروش کو اس آدمی کے اوپر اعتبار ہو گیا۔ وہ اس کو ادھار کپڑا دینے لگا۔ جب آدمی ادھار پر کپڑے لاتا تو اس کی کوشش رہتی کہ وعدہ سے کچھ پہلے ہی اس کی ادائیگی کر دے۔

وہ اسی طرح کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تھوک فروش کی نظر میں اس کا اعتبار بہت بڑھ گیا۔ اب وہ اس کو اور زیادہ کپڑے ادھار دینے لگا۔ چند سال میں یہ نوبت آگئی کہ تھوک فروش اس کو پچاس ہزار اور ایک لاکھ روپے کا کپڑا بے تکلف دیدیتا۔ وہ اس کو اس طرح مال دینے لگا جیسے کہ وہ اس کے ہاتھ نقد فروخت کر رہا ہو۔

اب آدمی کا کام اتنا بڑھ چکا تھا کہ اس نے ایک دکان لے لی۔ دکان بھی اس نے نہایت اصول کے ساتھ چلائی۔ وہ تیزی سے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شہر میں کپڑے کے بڑے دکانداروں میں شمار کیا جانے لگا۔

اس دنیا میں سب سے بڑی دولت روپیہ نہیں، اس دنیا میں سب سے بڑی دولت اعتبار ہے۔ اعتبار کی بنیاد پر آپ اسی طرح کوئی چیز لے سکتے ہیں جس طرح نوٹ کی بنیاد پر کوئی شخص بازار سے سامان خریدتا ہے۔ اعتبار ہر چیز کا بدل ہے۔

مگر اعتبار زبانی دعووں سے قائم نہیں ہوتا اور نہ اعتبار ایک دن میں حاصل ہوتا ہے۔ اعتبار قائم ہونے کی صرف ایک ہی بنیاد ہے اور وہ حقیقی عمل ہے۔ خارجی دنیا اس معاملہ میں انتہائی حد تک بے رحم ہے۔ لمبی مدت تک بے داغ عمل پیش کرنے کے بعد ہی وہ وقت آتا ہے کہ لوگ آپ کے اوپر وہ اعتبار قائم کریں جو اعتبار مذکورہ تھوک فروش نے ایک پھیری والے کے اوپر قائم کیا تھا۔

خودکشی نہیں

پاکستان کے (ریٹائرڈ) جنرل عتیق الرحمٰن آج کل پاکستان فیڈرل سروس کمیشن کے صدر ہیں۔ وہ ایک "مہاجر" ہیں اور دوسری جنگِ عظیم میں فیلڈ مارشل مانک شاہ کے ساتھ برما میں کام کر چکے ہیں۔

فروری ۱۹۸۴ میں جنرل رحمان ایک سرکاری دورہ پر نئی دہلی آئے۔ ایک اخباری ملاقات میں انھوں نے کہا کہ برما کے زمانۂ قیام میں ایک بار مانک شاہ شدید طور پر زخمی ہو گیے۔ تکلیف ناقابلِ برداشت ہو گئی تو مانک شاہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو گولی مار کر اپنا خاتمہ کر لیں۔ انھوں نے جنرل رحمان سے ایک پستول مانگا۔ جنرل عتیق الرحمٰن نے پستول دینے سے انکار کر دیا۔ جنرل رحمان نے قہقہہ کے ساتھ کہا، مانک شاہ نے ۱۹۷۱ کی جنگ میں ہمارے ساتھ جو کچھ کیا، اگر اس کو میں اس وقت جانتا تو یقیناً میں اپنا پستول انھیں دیدیتا (ٹائمس آف انڈیا ۲۰ فروری ۱۹۸۴)

مانک شاہ دوسری عالمی جنگ میں مایوس ہو کر خودکشی کر رہے تھے، حالانکہ اس کے ۲۵ سال بعد ۱۹۷۱ کی جنگ میں وہ فاتح بن کر نمایاں ہونے والے تھے۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ کیوں کہ خودکشی خدا سے کامل مایوسی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ آخرت سے انکار کے ہم معنی ہے۔ اگر آدمی کو یہ یقین ہو کہ مرنے کے بعد وہ ختم نہیں ہوگا بلکہ دوبارہ زندہ ہو کر آخرت کی دنیا میں پہونچ جائے گا تو وہ کبھی خودکشی نہ کرے۔ جس شخص کو آخرت کے مسئلہ کی سنگینی کا احساس ہو اس کے لیے ہر دوسری تکلیف ہیچ بن جائے گی۔

اسی کے ساتھ اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ خودکشی کو حرام قرار دینا گویا انسان کو یہ پیغام دینا ہے کہ ـــــ وقتی تکلیف سے گھبرا کر مستقبل کو نہ بھول جاؤ۔

موجودہ دنیا ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہر انسان پر غم اور تکلیف کا لمحہ آتا ہے۔ مگر ایسے لمحات ہمیشہ وقتی ہوتے ہیں۔ اگر آدمی اس لمحے کو برداشت کر لے تو اس کو بہت جلد معلوم ہوتا ہے کہ "تاریک حال" میں اس کے لیے ایک "روشن مستقبل" کا امکان چھپا ہوا تھا۔ وہ شکست خوردہ ہو کر اپنے کو مٹا دینا چاہتا تھا۔ حالاں کہ مستقبل اس انتظار میں تھا کہ اس کا نام فاتح کی حیثیت سے تاریخِ عالم میں درج کرے۔

فرد کی سطح پر

ایک شخص بائیسکل پر سفر کر رہا تھا۔ اچانک اس کا بریک جام ہو گیا۔ وہ اتر کر سائیکل ساز کے پاس گیا۔ مسافر کا خیال تھا کہ جس مقام پر اس کا بریک جام ہوا ہے، سائیکل ساز اسی مقام پر ہاتھ لگا کر اس کو درست کرے گا۔ مگر سائیکل ساز نے تھوڑی لی اور بالکل دوسرے مقام پر ٹھونکنا شروع کر دیا۔ مسافر ابھی اپنی حیرت کا اظہار بھی نہیں کر پایا تھا کہ مستری نے کہا " بس ٹھیک ہے، لے جائیے " اگلے لمحہ سائیکل اپنے مسافر کو لیے ہوئے دوبارہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

یہی معاملہ انسانی زندگی کا بھی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ظاہری اسباب کو دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ خرابی یہاں ہے۔ وہ اسی مقام پر ٹھونک پیٹ شروع کر دیتا ہے۔ مگر خرابی دور نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خرابی کی اصل جڑ کہیں اور ہوتی ہے اور جب تک اصل جڑ کی اصلاح نہ کی جائے، خرابی کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

مثلاً قوم کے اندر اتحاد نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ لوگ آپس کے اختلاف میں غیروں سے مل جاتے ہیں۔ ان کی کوئی اجتماعی آواز نہیں ہے، وغیرہ۔ ان مظاہر کو دیکھ کر ایک شخص کے اندر کچھ کرنے کا جذبہ اٹھتا ہے اور وہ فوراً اجتماع اور کنونشن کی اصطلاحات میں سوچنے لگتا ہے۔ اس کو کام یہ نظر آتا ہے کہ قوم کے افراد کو جمع کر کے پُرجوش تقریریں کی جائیں۔ رزولیوشن پاس کیے جائیں۔ وغیرہ۔

مگر یہ مسئلہ کا حل نہیں۔ یہ گویا علامتوں پر محنت کرنا ہے۔ حالاں کہ اصلی حل یہ ہے کہ سبب پر محنت کی جائے۔ زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مسئلہ بظاہر کہیں اور پیدا ہوتا ہے اور اس کے حل کا راز کہیں اور ہوتا ہے۔ مثلاً قوم کے اندر اگر اتحاد نہیں ہے تو اس کا سبب افراد کی بے اتحادی ہوگی۔ ایسی حالت میں آپ " اتحاد کانفرنس " کر کے لوگوں کے اندر اتحاد پیدا نہیں کر سکتے۔ پہلے فرد کی سطح پر اتحاد پیدا کیجیے۔ اس کے بعد قوم کی سطح پر اپنے آپ اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ اس دنیا کا قانون یہ ہے کہ یہاں " پھل " پر محنت کرنے والے کو پھل نہیں ملتا۔ یہاں پھل صرف وہ شخص پاتا ہے جس نے " بیج " پر محنت کرنے کا ثبوت دیا ہو۔

اُلٹا نتیجہ

سبھاش ایک ڈاکو تھا جو ڈاکہ زنی کے ۲۰ واقعات میں ماخوذ تھا۔ پولس نے اس کو زندہ یا مردہ پکڑنے پر پندرہ ہزار روپیہ نقد انعام کا اعلان کیا تھا۔

۱۳ دسمبر ۱۹۸۳ کا واقعہ ہے۔ دہلی کی ایک پولیس پارٹی اپنے میٹاڈور پر انکم ٹیکس آفس کے پاس سڑک پر تھی۔ اس نے دیکھا کہ سامنے سے ایک سفید فیٹ کار آرہی ہے۔ پولیس کی گاڑی کے قریب آکر اچانک اس نے یوٹرن (U-Turn) لیا۔ یعنی گھوم کر پیچھے کی طرف واپس ہوگئی۔ پولیس والوں کو شبہہ ہوا اور انھوں نے کار کا پیچھا کیا۔ پولیس کی گاڑی جب بالکل قریب پہونچ گئی تو کار کے مسافروں نے پولیس کی گاڑی پر فائرنگ شروع کردی۔

اب پولیس پارٹی کو یقین ہوگیا کہ اس کے اندر کوئی مجرم بیٹھا ہوا ہے۔ چنانچہ پولیس والوں نے بھی جواب میں کار کے اوپر فائر کیے۔ مگر کار آگے کی طرف بھاگتی رہی اور بالآخر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ تاہم اسی شام کو شاہدرہ اسپتال کے قریب ایک لاش سڑک پر پڑی ہوئی ملی۔ یہ مذکورہ ڈاکو سبھاش کی لاش تھی۔ پولیس کی گولیوں سے زخمی ہوکر وہ جلد ہی مرگیا تو اس کے بقیہ چار ساتھیوں نے اس کو کار سے نکال کر باہر سڑک پر پھینک دیا اور خود آگے کی طرف روانہ ہوگئے (ٹائمس آف انڈیا، ہندستان ٹائمس ۱۴ دسمبر ۱۹۸۳)

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کبھی بچاؤ کا اقدام الٹا پڑتا ہے۔ سفید کار والے اگر معمول کے مطابق اپنے راستہ سے گزر گیے ہوتے تو ممکن تھا کہ وہ پولیس کی زد سے بچ جاتے۔ مگر جب انھوں نے اپنے بچاؤ کے لیے جارحانہ اقدام کیا تو وہ ہلاکت کے منہ میں جا پڑے۔

اس دنیا میں ہر آدمی کی سوجھ بوجھ کا امتحان لیا جارہا ہے۔ جن لوگوں کا حال یہ ہو کہ وہ جس مخالف چیز کو دیکھیں اس سے لڑنے کے لیے آمادہ ہوجائیں وہ اس دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس دنیا میں کامیاب ہونے کے لیے کبھی مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور کبھی اعراض کرنا پڑتا ہے۔ کبھی سامنے کی سڑک سے چلنا ہوتا ہے اور کبھی ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی دائیں یا بائیں سے کترا کر آگے بڑھ جائے۔ یہ دنیا ہوش مندی کا امتحان ہے، یہاں وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جو اس نازک امتحان میں پورا اترے۔

اسلامی خلافت

تمہید

اسلام میں کچھ چیزیں مقصد ہیں اور کچھ چیزوں کی حیثیت ذمہ داری کی ہے۔ مثلاً خدا کا شکر ایک مقصدی نوعیت کی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو ہر آدمی سے مقصد کے درجہ میں مطلوب ہے۔ ہر آدمی کو لازمی طور پر شکر گزار بننا ہے۔ اس کے برعکس مال کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ مالی احکام اس وقت شروع ہوتے ہیں جب کہ آدمی مال دار ہو چکا ہو۔ جو شخص مال دار نہ ہو اس کے لیے یہ لازم نہیں کہ وہ ضرور اپنے آپ کو مالدار بنائے اور مال کے بارے میں جو اسلامی احکام ہیں ان کی تعمیل کرے۔

یہی وجہ ہے کہ دونوں کے لیے قرآن میں ایک دوسرے سے مختلف الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ شکر کے لیے قرآن میں یہ لفظ ہے کہ بل اللہ فاعبد وکن من الشاکرین (الزمر ۶۶) جب کہ مال کے لیے یہ نہیں فرمایا کہ مال دار بنو۔ بلکہ یہاں اس قسم کے الفاظ ہیں : ومما رزقناھم ینفقون (البقرہ ۳) یعنی پہلے معاملہ میں فرمایا کہ شکر گزار بنو۔ اور دوسرے معاملہ میں فرمایا کہ ہم نے ان کو جو مال دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ گویا شکر گزار تو آدمی کو ہر حال میں بننا ہے، جب کہ مال کے احکام کی تعمیل اس وقت کرنی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو مال دے دیا گیا ہو۔

سیاست و حکومت کی حیثیت بھی اسلام میں مقصد کی نہیں بلکہ ذمہ داری کی ہے۔ یعنی سیاست و حکومت وہ چیز نہیں کہ ہر آدمی اس کو اپنا نشانہ بنا کر اس کے لیے جد و جہد کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اللہ تعالیٰ خود اپنی مصلحتوں کے تحت کبھی کسی کو زمین میں با اقتدار بنا دیتا ہے اور کبھی کسی کو۔ اور جب کسی شخص یا قوم کو یہ عطیہ ملے تو اس وقت اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اقتدار کو ان احکام کے مطابق استعمال کرے جو خدا نے اس کے لیے مقرر کر دیئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں سیاست و حکومت کے لیے جو الفاظ آئے ہیں وہ اس سے مختلف ہیں جو مقصدی نوعیت کے احکام کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً عبادت کے لیے قرآن میں یہ الفاظ ہیں کہ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (اپنے رب کی عبادت کرو موت کے آنے تک) دوسری طرف سیاست و حکومت کے لیے اس قسم کے الفاظ آئے ہیں : الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا

الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکواۃ ادا کریں گے اور معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے) الحج ۴۱

حکومت کا ذکر "اگر" کے لفظ کے ساتھ ہے اور عبادت کا ذکر "اگر" کے بغیر ہے۔ دونوں کی نوعیت میں یہ فرق نہ ہوتا تو عبادت کے لیے بھی اسی قسم کے الفاظ آتے کہ ـــــ اگر ہم انھیں مسجد دیدیتے ہیں تو وہ ہماری عبادت کرتے ہیں۔

نظریۂ سیاست کا ماخذ

سیاست کا ماخذ قرآن میں کیا ہے، اس کا جواب اکثر مسلم مفکرین نے یہ دیا ہے کہ اسلام کے نظریۂ سیاست کا ماخذ قرآن کی وہ آیت ہے جس میں انسانِ اول (آدم) کے "خلیفہ" ہونے کا ذکر ہے۔ یعنی اسلامی سیاست اسلامی خلافت کا دوسرا نام ہے۔ خلافت کی یہ آیت قرآن میں ان الفاظ میں آئی ہے:

واذ قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خليفة قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك قال انی اعلم مالا تعلمون (البقرہ ۳۰)

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو فساد کرے اور خون بہائے، اور ہم حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ خدا نے کہا کہ میں اس بات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے۔

خلیفہ کا لفظ فعیلہ کے وزن پر ہے۔ فعیلہ کے معنی وہی ہیں جو فاعلہ کے ہیں۔ تہ اس میں مبالغہ کے لیے بڑھا دی گئی ہے۔ یہی معاملہ خلیفہ کا بھی ہے (تفسیر النسفی)

خَلَفَ یَخْلُفُ کے معنی عربی زبان میں ہیں: پیچھے آنا، جانشین ہونا، قائم مقام ہونا۔ قرآن میں ہے: فخلف من بعدهم خلف (الاعراف ۱۶۹) یعنی پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے جو ..... اسی سے خلیفہ ہے۔ خلیفہ کے معنی ہیں جو کسی کی جگہ پر اس کے بعد آئے (من یخلف غیرہ) خلیفہ کے وہی معنی ہیں جو جانشین (Succressor) کے ہیں۔ خلیفہ کا ترجمہ بعض لوگوں نے نائب (Vicegerent) کیا ہے۔ مگر یہ ترجمہ لغت کے اعتبار

سے صحیح نہیں۔ استعمالِ عرب میں خلیفہ جانشین کے مفہوم میں آتا ہے۔ نائب کے مفہوم کے لیے کلامِ عرب میں کوئی نظیر موجود نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ انسان اگر خلیفہ (جانشین) ہے تو وہ کسی کا خلیفہ ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اللہ کا خلیفہ (خلیفۃ اللہ) ہے۔ مگر اس کا براہ راست ثبوت قرآن میں موجود نہیں۔ سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت میں جو لفظ ہے وہ "ایک خلیفہ" ہے نہ کہ "خدا کا خلیفہ"۔ اس کے علاوہ قرآن میں دوسری کوئی ایسی آیت موجود نہیں جس میں انسان کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہو۔ اسی طرح احادیث کے ذخیرہ میں بھی کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں ملتی جس میں صراحۃً انسان کے بارے میں خلیفۃ اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہو۔ قرآن اور حدیث میں انسان کے لیے عبداللہ اور عباد اللہ کے الفاظ تو آئے ہیں مگر خلیفۃ اللہ یا خلائف اللہ کا لفظ کہیں بھی نہیں آیا۔ انسان اگر خلیفۃ اللہ ہو تو یہ اس کے بارے میں اہم ترین بات ہوگی۔ یہ ناقابل تصور بات ہے کہ اتنی اہم بات قرآن و حدیث میں غیر مذکور رہ جائے۔

نیز معنی کے اعتبار سے بھی یہ ایک مضحکہ خیز تاویل ہے۔ کیوں کہ یہ ناقابل تصور ہے کہ انسان خدا کا جانشین ہو۔ اسی مشکل سے بچنے کے لیے مذکورہ حضرات نے خلیفہ کا ترجمہ جانشین کے بجائے نائب کیا ہے۔ مگر یہ ایک غلطی پر دوسری غلطی کا اضافہ ہے۔ کیوں کہ کلامِ عرب میں خلیفہ کا لفظ نائب کے لیے سرے سے نہیں آتا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان مخلوقات کا خلیفہ (جانشین) ہے نہ کہ خالق کا خلیفہ۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی اور اس کے بعد اس پر جنوں کو آباد کیا۔ آدم کی تخلیق سے پہلے یہی جن زمین کے باشندے تھے۔ پھر جنوں نے زمین پر فساد کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے اقتدار سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد آدم پیدا کیے گیے اور وہ زمین پر جن کی جگہ بسائے گیے۔ اس طرح آدم خلیفۃ الجن تھے نہ کہ خلیفۃ اللہ۔ وہ زمین پر جن کے بعد آئے نہ کہ نعوذ باللہ خدا کے بعد۔

ایک قوم کے بعد دوسری قوم

حضرت آدم کے بعد ان کی جو نسلیں زمین پر ایک کے بعد ایک آباد ہوئیں ان کو بھی قرآن میں خلیفہ یا خلفاء کہا گیا ہے۔ یہ نسلیں یا قومیں بھی خدا کی خلیفہ نہ تھیں بلکہ وہ ان پچھلی قوموں کی خلیفہ تھیں جن کے بعد وہ آئیں۔

سورہ الاعراف (رکوع ۱۰-۹) میں پچھلی قوموں کا ذکر ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے قوم نوح کے بعد قوم عاد کو خلفار بنایا۔ اذجعلکم خلفاء من بعد قوم نوح) پھر قوم عاد کے بعد قوم ثمود کو خلفار بنایا اور اس کو زمین میں ٹھکانا (اذجعلکم خلفاء من بعد عاد وبوأکم فی الارض)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوم نوح کی ہلاکت کے بعد جب قوم عاد اس کی جگہ آباد کی گئی تو وہ قوم نوح کی خلیفہ (جانشین) تھی۔ اسی طرح قوم عاد کو ہٹا کر جب قوم ثمود کو زمین پر بسنے اور فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا تو وہ گویا قوم عاد کی خلیفہ (جانشین) تھی۔ اسی طرح قدیم ماضی سے لے کر اب تک ایک قوم کے بعد دوسری قوم ابھرتی ہے اور ہر اگلی قوم اپنی پچھلی قوم کی خلیفہ (جانشین) ہوتی ہے۔

خلافت ایک کے بعد دوسرے کے آنے کا نام ہے۔ خلافت کا لفظ دراصل خدا کے مقرر کیے ہوئے اصول تاریخ کو بتاتا ہے نہ کہ خدا کی نیابت یا خدا کی جانشینی کو۔ خلافت کا یہ سلسلہ زمین پر برابر جاری ہے۔ بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم آتی ہے اور وہ اپنا امتحان دے کر ختم ہو جاتی ہے یا پیچھے چلی جاتی ہے۔ اور پھر دوسری قوم پچھلی قوم کی خلیفہ (جانشین) بنائی جاتی ہے۔

اس طرح دنیا میں ایک کے بعد دوسری قوم کو کام کرنے کا موقع دیا جا رہا ہے۔ مثلاً ہندستان میں مغل حکمراں سابق دیسی راجاؤں کے خلفار تھے۔ اس کے بعد انگریز مغلوں کے خلفار ہوئے۔ اور اب موجودہ ملکی حکمراں انگریزوں کے خلفار ہیں۔ وقس علی ھذا۔

قرآن میں واضح طور پر حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے خلیفہ کا لفظ آیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کس کے خلیفہ تھے۔ اس سلسلہ میں مفسرین نے اس کو پچھلے پیغمبروں کی خلافت کے معنی میں لیا ہے۔ اس اعتبار سے گویا حضرت داؤد خلیفۃ الانبیاء تھے نہ کہ خلیفۃ اللہ (تفسیر نسفی) یعنی وہ بنی اسرائیل کے پچھلے نبیوں کے بعد ان کی جگہ آئے اور خدا کی طرف سے عائد کی ہوئی ذمہ داریوں کو ادا کیا۔

خلیفہ کا لفظ انسان کی منصبی حیثیت کو نہیں بتاتا۔ وہ صرف زمین پر انسان کی آبادکاری کی تاریخی نوعیت کو بتاتا ہے۔ یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان زمین کے اوپر خدا کا نائب ہے اور اسے زمین پر وہ خدائی بادشاہی قائم کرنی ہے جو بقیہ کائنات میں خدا خود براہ راست قائم کیے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ زمین پر مختلف اشخاص اور مختلف قوموں کو ایک کے بعد ایک کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے یہ لفظ مخلوقات کے بارے میں اصول جانشینی کو بتاتا ہے نہ کہ خدا کے بارہ میں اصول نیابت کو۔

خلافت ایک خدائی عطیہ

قرآن کے مطابق خلافت خدا کا ایک عطیہ ہے۔ قرآن میں واضح طور پر ارشاد ہوا ہے کہ کہو کہ اے اللہ ملک کے مالک، تو جس کو چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک لے لے۔ اور تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (آل عمران ۲۶)

خلافت و حکومت جس کو بھی ملتی ہے خدا کی طرف سے ملتی ہے۔ خلیفہ بننے کا طلب زمین میں تمکین و اقتدار کا ملنا ہے۔ تمکین و اقتدار سراسر خدا کا عطیہ ہے اور وہ عملاً خدا ہی کا عطیہ ہو سکتا ہے۔ تمکین و اقتدار کسی کو خالی جزیرہ میں نہیں ملتا۔ یہ مختلف قوموں اور گروہوں کے بالمقابل ایک چیز کو پانے کا نام ہے۔

انسان کی قوت اس سے بہت کم ہے کہ وہ دوسروں کو بے دخل کر کے خود اقتدار پر قبضہ کر سکے۔ تمکین و اقتدار کے حصول کے لیے اتنے زیادہ اسباب کی بیک وقت یکجائی درکار ہے کہ وہ تنہا کسی شخص یا قوم کے بس میں نہیں نہ یہ دراصل خدا ہے جو ایسے اسباب پیدا کرتا ہے جو ایک قوم کو تمکین و اقتدار کے مقام سے ہٹائیں اور اس کی جگہ دوسری قوم کو تمکین و اقتدار کا مقام عطا کریں۔

خلافت و حکومت کو عطا کرنے کا یہ فیصلہ خدا کی مختلف مصلحتوں کے تحت ہوتا ہے۔ قرآن میں ان کی بابت اشارات ملتے ہیں۔

مثلاً اس سلسلے میں ایک مصلحت امتحان ہے۔ یعنی ایک قوم کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری قوم کو اختیار دینا تاکہ خدا دیکھے کہ وہ کس طرح عمل کرتی ہے (ثم جعلنٰکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون، یونس ۱۴) دوسری مصلحت یہ ہے کہ کسی قوم کی صالحیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ احسان کا فیصلہ کرے اور اس بنا پر اس کو زمین کا اقتدار دیدے (ونرید ان نمنّ علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃً ونجعلھم الوارثین، القصص ۵) اسی طرح ایک مصلحت یہ ہے کہ زمین کو فساد سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ وہ ایک قوم کے ذریعہ دوسری قوم کو میدانِ عمل سے ہٹا دے (ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض البقرہ ۲۵۱) وغیرہ۔

خلافت کے فرائض

خلیفہ کے فرائض کیا ہیں، اس کے بارہ میں قرآن کی حسب ذیل آیت واضح رہنمائی کرتی ہے:

یاداؤد انا جعلناك خليفة في الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله - ان الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب (ص ۲۶)

اے داؤد، ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ پس تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی۔ بے شک جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے۔

اس آیت میں تین باتیں کہی گئی ہیں ـــــ انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا، خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا، اور حساب کے دن سے ڈرتے رہنا۔

مختصر لفظوں میں یہی وہ معیار ہے جس پر جانچ کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون شخص صحیح اسلامی خلیفہ ہے اور کون شخص صحیح اسلامی خلیفہ نہیں۔ صحیح اسلامی خلیفہ وہ ہے جس کے دل میں یہ ڈر سمایا ہوا ہو کہ اس کو اپنے ہر قول اور فعل کا حساب خدا کو دینا ہے۔ ایسا شخص اپنی رائے اور خواہش پر نہیں چلے گا بلکہ ہر معاملے میں وہ خدا کی مرضی کو جاننا چاہے گا اور جیسے ہی اس کو خدا کی ثابت شدہ مرضی معلوم ہوگی وہ فوراً اس کو پکڑ لے گا۔ کیوں کہ اس کا ذہن یہ کہے گا کہ اسی کو اختیار کر کے میں آخرت میں اللہ کی پکڑ سے بچ سکتا ہوں۔

یہی چیز ہے جو کسی حکمراں کو خلیفۂ حق بناتی ہے۔ اس کا ہر فیصلہ انصاف کا فیصلہ ہوتا ہے اور اس کا ہر اقدام وہ صحیح اقدام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایک واقعہ اسلامی خلافت کی نوعیت کو خوبی کے ساتھ واضح کرتی ہے:

عن عمر بن الخطاب انه سأل طلحة والزبير وكعبًا وسلمان ما الخليفة من الملك فقال طلحة والزبير ماندري فقال سلمان: الخليفة الذي يعدل

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک بار حضرات طلحہ اور زبیر اور کعب اور سلمان سے سوال کیا کہ بادشاہ کے مقابلہ میں خلیفہ کون ہے۔ طلحہ اور زبیر نے کہا کہ ہم کو نہیں معلوم۔ حضرت سلمان نے کہا کہ

فی الرعیة ویقسم بینهم بالسویة ویشفق علیهم شفقة الرجل علیٰ اهله۔ ویقضی بکتاب اللہ۔ فقال کعب ماکنت احسب ان فی المجلس احداً یعرف الخلیفة من الملک غیری۔

(التفسیر المظہری، المجلد الثامن، صفحہ ۱۷۲)

خلیفہ وہ ہے جو رعایا کے اندر انصاف کرے اور جو ان کے درمیان برابری کے ساتھ تقسیم کرے۔ اور جو ان پر اس طرح مہربان ہو جس طرح آدمی اپنے گھر والوں پر مہربان ہوتا ہے۔ اور جو خدا کی کتاب سے فیصلہ کرے۔ حضرت کعب نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس مجلس میں میرے سوا کوئی اور بھی ہے جو بادشاہ کے مقابلہ میں خلیفہ کے فرق کو جانتا ہے۔

صحابی کی یہ تشریح نہایت واضح طور پر بتاتی ہے کہ خدا کے مطلوب خلیفہ کی خصوصیات کیا ہیں، اور وہ کیا چیز ہے جس سے حقیقی معنوں میں ایک اسلامی خلیفہ کی پہچان ہوتی ہے۔

اعلان

محمد ہاشم قاسمی کو ۱۹۸۳ میں اسلامی مرکز کی شاخ حیدرآباد کا مقامی سکریٹری بنایا گیا تھا۔ ان کو مرکز سے اور مرکز کی حیدرآباد شاخ سے علٰحدہ کر دیا گیا ہے۔ اب مرکز سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے کوئی صاحب اسلامی مرکز یا مرکز کی حیدرآباد شاخ کے تعلق سے ان سے کوئی معاملہ نہ کریں۔ ان کے کسی معاملہ کی ذمہ داری اسلامی مرکز کے اوپر نہ ہوگی۔

وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

جھوٹا نظریہ

موجودہ زمانہ کے ایک مفسر قرآن سورۃ محمد (آیت ۳۵) کے تحت اپنے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں :

"یہ ارشاد اس زمانہ میں فرمایا گیا ہے جب صرف مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں چند سو مہاجرین و انصار کی ایک مٹھی بھر جمعیت اسلام کی علم برداری کر رہی تھی اور اس کا مقابلہ محض قریش کے طاقتور قبیلہ ہی سے نہیں، بلکہ پورے ملک عرب کے کفار و مشرکین سے تھا۔ اس حالت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمت ہار کر ان دشمنوں سے صلح کی درخواست نہ کرنے لگو، بلکہ سر دھڑ کی بازی لگا دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کبھی صلح کی بات چیت کرنی ہی نہ چاہیے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں صلح کی سلسلہ جنبانی کرنا درست نہیں ہے جب اس کے معنی اپنی کمزوری کے اظہار کے ہوں اور اس سے دشمن اور زیادہ دلیر ہو جائیں۔ مسلمانوں کو پہلے اپنی طاقت کا لوہا منوا لینا چاہیے، اس کے بعد وہ صلح کی بات چیت کریں تو مضائقہ نہیں"

یہ نظریہ سراسر ناقابلِ عمل ہے اور اسی کے ساتھ غیر اسلامی بھی۔ مسلمان اگر صرف "مٹھی بھر" ہیں اور فریقِ ثانی عظیم طاقت کی حیثیت رکھتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ فریقِ ثانی سے لڑ کر اس سے اپنی طاقت کا لوہا منوا لیں۔ ایسی حالت میں فریقِ ثانی سے لڑنا اس کو مزید دلیر کرنے کے ہم معنی ہوگا۔ کیوں کہ اس عالمِ اسباب میں ایسے غیر متناسب مقابلہ کا نتیجہ لازمی طور پر شکست ہوتا ہے۔ اور شکست کا لازمی نتیجہ دشمن کو پہلے سے زیادہ دلیر بنا دینا۔

مکہ کے زمانۂ قیام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دشمنوں نے ستایا۔ مگر آپ نے یہ نہیں کیا کہ "سر دھڑ کی بازی لگا کر" ان سے ٹکرا جائیں بلکہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔ اسی طرح حدیبیہ کے موقع پر آپ کے مخالفین نے آپ سے غیر واجبی مطالبات کیے مگر آپ نے ان کے تمام مطالبات کو یک طرفہ طور پر مان کر ان سے صلح کر لی۔ مذکورہ تفسیر کو صحیح مانا جائے تو آپ کا یہ دونوں عمل دشمنوں کو دلیر کرنے کے ہم معنی قرار پائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ سراسر غلط ہے۔ جنگ ہو یا صلح دونوں سوچے سمجھے فیصلہ پر مبنی ہونا چاہیے اور یہ فیصلہ حالات کے تحت کیا جانا چاہیے نہ کہ مذکورہ بالا قسم کے کسی پُرجوش نظریہ کے تحت۔

حج کا عاطفی پہلو

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں (الذاریات ۵۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت کا جذبہ انسان کے اندر تخلیقی طور پر شامل ہے۔ انسان کو نہ صرف یہ کہ از روئے واقعہ خدا کی عبادت کرنا چاہیے بلکہ اس کی فطرت کا مطالبہ بھی یہی ہے کہ وہ ایسا کرے۔ خدا کی عبادت خود انسان کی اپنی فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کی عبادت کے سوا کوئی چیز انسان کو حقیقی طور پر مطمئن نہیں کرتی: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (سن لو کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے)

جس طرح ایک چھوٹا بچہ عین اپنے اندرونی جذبہ کے تحت مجبور ہے کہ وہ اپنی ماں کی طرف لپکے۔ اسی طرح انسان عین اپنی اندرونی پکار کی بنا پر مجبور ہے کہ وہ خدا کی طرف دوڑے۔ انسان اپنی اندرونی شخصیت کو بدل نہیں سکتا۔ اس لیے وہ خدا کو بھی اپنے دل و دماغ سے نکال نہیں سکتا۔

علم الانسان کی شہادت

یہ حقیقت موجودہ زمانہ میں انسانیات (Anthropology) کے ذریعہ علمی طور پر ثابت ہو گئی ہے موجودہ زمانہ میں علم الانسان کے ماہرین نے انسانی معاشرہ کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ تاریخ کے ابتدائی دور سے لے کر اب تک کے انسانی معاشروں کا مطالعہ کرنے کے بعد جو حقیقتیں سامنے آئی ہیں ان میں سے ایک اہم ترین حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کے اُتار چڑھاؤ کے باوجود انسان ہمیشہ خدا کا پرستار رہا ہے۔ خدا اور مذہب کا جذبہ انسان کی فطرت میں اس طرح پیوست ہے کہ وہ کسی حال میں اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں علم الانسان کی تحقیقات کا خلاصہ ہم انسائیکلوپیڈیا امریکانا کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

From the earliest days of the world's history man has been more or less a religious creature. Almost invariably he has had a god, or several of them, to whom he looked for protection. At times these gods have been crude fetishes of whittled wood or roughly hewn stone; at times they have assumed the form of animals or reptiles, or have appeared as cruel monsters eager for the life-blood of those who reverenced them. But, however they may have come, man has worshipped them, because religion, as represented in the worship of a super-natural power, is interwoven with the entire fabric of human nature.

Encyclopedia Americana, 1961, V. XXIII, p 354

دنیا کی تاریخ کے بالکل ابتدائی دنوں سے انسان کم و بیش ایک مذہبی مخلوق رہا ہے۔ تقریباً ہر زمانہ میں وہ ایک خدا رکھتا تھا یا کئی خدا، جس کی طرف وہ بچاؤ کے لیے دیکھ سکے۔ کبھی یہ خدا لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے۔ کبھی پتھر کے۔ کبھی جانوروں اور سانپوں کو خدا سمجھ لیا گیا، وغیرہ۔ مگر ہر حال میں وہ تھے اور انسان ضروری سمجھتا تھا کہ وہ ان کی پوجا کرے۔ کیوں کہ مذہب، ایک مافوق طاقت کی پرستش کی صورت میں، انسان کی فطرت کے پورے ڈھانچہ میں گندھا ہوا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کا شعور انسان کی فطرت میں تخلیقی طور پر پیوست ہے۔ تاہم یہ شعور مجمل انداز میں ہے۔ اس لیے انسان ایسا کرتا ہے کہ جب وہ حقیقی خدا کو نہیں پاتا تو مصنوعی طور پر وہ خود ساختہ خداؤں کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ فطرت کے زور پر اس کے اندر پرستش کا جذبہ ابھرتا ہے۔ اگر اس کے سامنے پیغمبر کی رہنمائی ہو تو اس کا یہ جذبہ خدائے وحدہ لاشریک کی صورت میں اس کا جواب پالے گا۔ اور اگر پیغمبر کی رہنمائی اس کے سامنے نہ ہو تو وہ اپنے جذبہ کی مصنوعی تسکین کے لیے غیر خداؤں کو خدا فرض کر کے ان کو پوجنے لگے گا۔

انسان کا مقصود اصلی صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو اس کا خالق و مالک ہے۔ یہ مقصود اس کی فطرت میں گہرائی کے ساتھ شامل ہے۔ انسان یکسو ہو کر اپنی فطرت پر کان لگائے تو وہ خود اپنے اندر خدا کو پالے گا۔ وہ اس کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں محسوس کرے گا۔ یہ فطرت گویا انسان کا "لاشعور" ہے۔ پیغمبر اسی لاشعور کو شعور کا درجہ عطا کرتا ہے۔

تاہم انسان جیسی ایک مخلوق کے لیے صرف یہ غیبی معرفت کافی نہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ وہ خدا کو محسوس طور پر بھی پائے۔ وہ خدا کا محسوس ادراک کر سکے۔ مگر یہاں یہ رکاوٹ ہے کہ خدا کا

محسوس ادراک حقیقی معنوں میں آخرت سے پہلے ممکن نہیں۔

آخرت میں بلاشبہ انسان خدا کو دیکھے گا۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کے دن کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے، وہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے (القیامہ) حدیث سے بھی یہ بات تواتر کی حد تک ثابت ہے صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ تم عنقریب اپنے رب کو کھلے طور پر دیکھو گے (انکم سترون ربکم عیانًا)

وفی الصحیحین عن جریر قال نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی القمر لیلۃ البدر فقال: انکم ترون ربکم کما ترون ھذا القمر	بخاری و مسلم میں حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کی رات میں چاند کی طرف دیکھا، پھر فرمایا کہ تم (آخرت میں) اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔

شعائر اللہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کا حقیقی مشاہدہ صرف آخرت میں ہوگا۔ مگر آخرت کے خدائی مشاہدہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ خدا کو پائے۔ وہ کل کے آنے سے پہلے آج کے دن خدا کی قربت حاصل کرے۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انسان کی یہ طلب موجودہ دنیا میں کس طرح پوری ہو۔

اس کا جواب شعائر اللہ (البقرہ ۱۵۸) کی صورت میں فراہم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو ان کی مخصوص تاریخی اہمیت کی بنا پر اپنا شعیرہ (علامت) قرار دیا ہے۔ ان علامتوں یا یادگاروں کے گرد ایسے حالات جمع کیے گیے ہیں کہ ان کو دیکھنا خدا کو دیکھنا بن جائے۔ جس خدا کو انسان براہِ راست نہیں پا سکتا اس کو وہ بالواسطہ انداز میں پالے۔ انسان موجودہ دنیا میں اللہ کو نہیں دیکھ سکتا البتہ وہ شعائر اللہ کو دیکھ سکتا ہے۔ وہ موجودہ دنیا میں اللہ کو اس طرح نہیں پا سکتا کہ وہ اس کو چھوئے اور اس سے محسوس قربت حاصل کرے۔ البتہ وہ شعائر اللہ کو چھو سکتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قربت خداوندی کا محسوس تجربہ کر سکتا ہے۔

شعیرہ (جمع شعائر) کے معنی ہیں نشان، علامت، یادگار۔ یعنی وہ چیز جو خود اصل نہ ہو

البتہ وہ کسی نسبت کی بنا پر اصل کی یاد دلائے۔ اس کی ایک مثال صفا اور مروہ پہاڑیاں ہیں جن کو قرآن میں شعائر کہا گیا ہے۔ (ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ، البقرہ ۱۵۸)

صفا اور مروہ مکہ میں بیت اللہ کے قریب دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان تقریباً ۵۰۰ قدم کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی اہلیہ ہاجرہ اور اپنے شیر خوار بچے اسماعیل کو لاکر یہاں بسایا تو یہاں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ پانی۔ حضرت ہاجرہ کی مشک کا پانی ختم ہوگیا تو وہ صفا اور مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں سات بار دوڑیں۔ اسی کی یاد میں آج بھی تمام حاجی دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات بار سعی کرتے ہیں۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کو پسند آیا اور اس نے صفا اور مروہ کو اپنا شعیرہ قرار دیدیا۔ یعنی خدا پرستی کی مستند یادگار۔ صفا اور مروہ کو دیکھ کر وہ پوری تاریخ یاد آجاتی ہے جب کہ اللہ کے ایک بندہ نے صرف اللہ کی رضا کی خاطر اپنے سرسبز وطن (عراق) کو چھوڑا اور اپنے بیوی اور بچہ کو بے آب وگیاہ علاقہ میں لاکر بسا دیا۔ یہ اللہ پر یقین اور اس کے اوپر اعتماد کی ایک کامل مثال ہے۔

اسی طرح کعبہ، حجر اسود اور حج سے متعلق دوسری چیزیں سب کی سب شعائر اللہ ہیں۔ یہ موحد کامل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی خدا پرستانہ زندگی کی نشانیاں ہیں۔ ان کو دیکھ کر حضرت ابراہیم کی موحدانہ تاریخ یاد آتی ہے۔ ان کو دیکھ کر خدا کی عظمت و جلال کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ان شعائر کے ماحول میں پہونچ کر آدمی اپنے آپ کو خدا کے ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔

حجر اسود کو حدیث میں ید اللہ علی الارض (زمین پر اللہ کا ہاتھ) کہا گیا ہے۔ یہ حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ تمثیلی معنوں میں ہے۔ آدمی کے اندر اٹھنے والے ربانی جذبات اپنی محسوس تسکین کے لیے یہ چاہتے تھے کہ وہ اللہ کے ہاتھ کو چھوئیں اور اس کو چھو کر اپنے جذبے کو مطمئن کریں، حجر اسود کو چوم کر آدمی اپنے اسی جذبہ کی تسکین حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح آدمی چاہتا تھا کہ وہ اللہ کو پاکر اس کے گرد گھومے، کعبہ کے مقدس گھر کا طواف کرکے وہ اپنے اسی جذبہ کو تسکین دیتا ہے۔ آدمی چاہتا تھا کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے دوڑے، وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے تو اس کو یہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حج کے تمام مراسم کسی نہ کسی اعتبار سے انسان کے چھپے ہوئے جذبات کی تسکین ہیں۔ وہ اپنے رب سے محسوس تعلق قائم کرنے کا ذریعہ ہیں۔

معبود کی پرستش کا جذبہ فطری طور پر انسان کے اندر چھپا ہوا ہے۔ شرک اور بت پرستی اسی فطری جذبہ کا غلط استعمال ہے۔ توحید کا عقیدہ اس فطری جذبہ کو صحیح رُخ عطا کرتا ہے۔ یہی معاملہ حج کے مراسم کا ہے۔ حج ایک اعتبار سے ایک انسانی غلطی کی اصلاح ہے۔ وہ انسان کی طلب کو غلط رُخ پر جانے سے روکتا ہے اور اس کو صحیح رُخ پر لگا دیتا ہے۔ حج اسی جذبہ کی تسکین کی صحیح صورت ہے جس کو انسان غلط طریقے سے تسکین دینا چاہتا ہے۔

انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ خدا کو دیکھے، وہ محسوس طور پر اس کو پاکر اس کے آگے مراسم عبودیت ادا کرے۔ انسان نے اپنے اس جذبہ کی تسکین کے لیے یہ کیا کہ اس نے غیر مرئی خدا کی مرئی تصویر (Image) بنائی۔ اور اس خود ساختہ تصویر کو خدا کی تصویر سمجھ کر اس کو پوجنا شروع کر دیا۔ مگر یہ قرآن کے الفاظ میں الحاد (انحراف) ہے۔ انسان اپنے جس فطری جذبہ کا جواب خدائی بتوں میں تلاش کر رہا ہے اس کا جواب زیادہ صحیح طور پر خدائی یادگاروں (شعائر اللہ) میں موجود ہے۔

خدا کا بت بنانا ایسا ہی ہے جیسے کسی انسان کا مجسمہ بنانا۔ مجسمہ وہ شخص بناتا ہے جس نے صاحب مجسمہ کو یا اس کی تصویر کو دیکھا ہو۔ مگر خدا کے بارے میں کوئی مجسمہ ساز یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ایک شخص جب خدا کا بت بناتا ہے تو وہ لامحدود کو محدود کرتا ہے۔ وہ ایک برتر ہستی کو غیر برتر چیزوں میں ڈھالتا ہے۔ اس قسم کا ہر فعل واقعہ کے خلاف ہے۔ اور وہ بلاشبہ سرکشی کے ہم معنی ہے۔

حج ایک اعتبار سے اس انسانی ذہن کی اصلاح ہے۔ حج کا پیغام یہ ہے کہ خدا کو "مجسمہ" کی سطح پر اتارنے کی کوشش نہ کرو۔ خدا کو اس کے "شعائر" کی سطح پر دیکھو۔ موجودہ دنیا میں تم خدا کو اس کی ذات کی سطح پر نہیں پا سکتے۔ البتہ تم اس کو آثار ذات کی سطح پر پا سکتے ہو۔ یہ شعائر وہ ہیں جو خدا کے معیاری پرستاروں کے عمل سے قائم ہوئے ہیں۔ یہ تاریخ کے ان لمحات کی مادی یادگاریں ہیں جب کہ خدا اور بندے کے درمیان براہ راست اتصال قائم ہوا۔ جب بندہ نے خدا کو پایا اور خدا نے اپنے کو بندہ کے لیے بے نقاب کیا۔

تاریخ کے وہ قیمتی افراد جنھوں نے خدا پرستی کو اس کی اعلیٰ اور معیاری شکل میں اختیار کیا۔ ان کے آثار ہی کا نام شعائر اللہ (خدا کی یادگاریں) ہے۔ انھیں شعائر کے درمیان تمام مراسم حج ادا کیے جاتے ہیں۔ ان سے دوری خدا سے دوری ہے اور ان سے وابستگی خدا سے وابستگی۔

حج کے بہت سے پہلو ہیں۔ مگر اس کا خاص پہلو یہ ہے کہ حج حق تعالیٰ سے ملاقات ہے۔ آدمی جب سفر کرکے مقاماتِ حج تک پہونچتا ہے تو اس پر خاص طرح کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ "اپنی دنیا" سے نکل کر "خدا کی دنیا" میں پہونچ گیا ہے۔ وہ اپنے رب کو چھو رہا ہے وہ اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ وہ اس کی طرف دوڑ رہا ہے۔ وہ اس کی خاطر ادھر سے ادھر جا رہا ہے۔ وہ اس کے حضور قربانی پیش کر رہا ہے۔ وہ اس کے دشمن کو کنکریاں مار رہا ہے۔ وہ اس سے مانگ رہا ہے جو کچھ وہ اس سے مانگنا چاہتا ہے۔ وہ اس سے پا رہا ہے جو کچھ وہ اس سے پانا چاہتا ہے۔

عرفات کا میدان اس سلسلہ میں بڑا عجیب منظر پیش کرتا ہے۔ خدا کے بندے قافلہ در قافلہ چاروں طرف سے چلے آرہے ہیں، سب کے جسم پر ایک ہی سادہ لباس ہے۔ ہر ایک اپنی امتیازی صفت کو کھو چکا ہے۔ سب کی زبان پر ایک ہی کلام جاری ہے: لبیک اللھم لبیک، لبیک اللھم لبیک (حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں، حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں)

یہ منظر دیکھ کر قرآن کی وہ آیت یاد آنے لگتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو اچانک تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے (ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون) حقیقت یہ ہے کہ عرفات کا اجتماع حشر کے اجتماع کی پیشگی خبر ہے۔ یہ آج کی دنیا میں آئندہ آنے والی دنیا کی تصویر دکھانا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ الحج عرفۃ (عرفات کے میدان میں قیام ہی حج ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کا اہم ترین مقصد کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی میدان حشر میں خدا کے سامنے اپنی حاضری کو یاد کرے۔ جو کچھ کل عملاً بیتنے والا ہے اس کو آج ہی ذہنی طور پر اپنے اوپر طاری کرلے۔

کعبہ خدائے واحد کا گھر ہے۔ اس کو دو جلیل القدر پیغمبروں (حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ) نے مل کر بنایا۔ ان پیغمبروں کی اعلیٰ زندگی اور خدا کے لیے ان کی قربانی کے حیرت انگیز واقعات اس گھر سے وابستہ ہیں۔ پھر پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پاک اصحاب کی زندگیاں اور ان کی خدا پرستانہ سرگرمیاں اس کی فضاؤں میں بسی ہوئی ہیں۔

خدا پرستی اور خدا کے لیے قربانی کی اس بے مثال تاریخ کو آدمی کتابوں میں پڑھتا ہے۔ وہ

بچپن سے لے کر سفر حج تک اس کو مسلسل سنتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے حافظہ کے خانہ کا جزء بن جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں جب وہ سفر کر کے کعبہ کے سامنے پہونچتا ہے تو حافظہ کی تمام یادیں اچانک اس کے اندر جاگ اٹھتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک تاریخ کے سامنے کھڑا ہوا پاتا ہے ـــــ خدا سے خوف اور محبت کی تاریخ، خدا کے لیے قربان ہوجانے کی تاریخ، خدا کو اپنا سب کچھ بنانے کی تاریخ، خدا کو قادر مطلق کی حیثیت سے پالینے کی تاریخ، خدا کی خاطر اپنے آپ کو مٹا دینے کی تاریخ۔

اس قسم کی ایک عظیم ربانی تاریخ آدمی کے سامنے کعبہ کی صورت میں مجسم ہوجاتی ہے۔ وہ حجری حروف میں لکھی ہوئی اس کو نظر آنے لگتی ہے۔ یہ تجربہ اس کے دماغ کو ہلاتا ہے وہ اس کے سینہ کو پگھلا دیتا ہے۔ وہ اس کو بدل کر نیا انسان بنا دیتا ہے۔

راقم الحروف نے اپنے حج (۱۹۸۲) کے سفرنامہ میں لکھا تھا:

"ہماری قیام گاہ حرم سے بہت قریب شارع ابراہیم الخلیل پر تھی۔ چنانچہ کھانے اور مختصر سونے کے علاوہ میرا بیشتر وقت حرم میں گزرتا تھا۔ میرا روزانہ کا معمول تھا کہ میں باب الہجرہ کے پاس زمزم کے پانی سے وضو کرتا۔ اس کے بعد سیر ہو کر زمزم کو پیتا اور پھر حرم میں داخل ہوجاتا۔ اکثر میں حرم کے اوپر کے حصہ میں جاتا تھا۔ کیوں کہ اوپر کے حصہ میں نسبتاً بھیڑ کم ہونے کی وجہ سے سکون رہتا تھا۔ وہاں میں نماز پڑھتا، تلاوت کرتا، کعبہ کو دیکھتا، اللہ کو یاد کرتا۔ روزانہ گھنٹوں اس طرح گزر جاتے کہ مجھے وقت کا کچھ اندازہ نہ ہوتا۔ خواہ کتنی ہی زیادہ دیر ہو چکی ہو، جب میں حرم سے لوٹتا تو محسوس ہوتا کہ ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر دل کی جو کیفیت ہوتی تھی اس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔"

مصیبت میں راحت

حج کے موقع پر بیک وقت ساری دنیا کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس بنا پر حج میں بار بار ایک کو دوسرے سے تکلیف پہونچتی ہے۔ بار بار ایسے مواقع سامنے آتے ہیں جو آدمی کی طبیعت پر بے حد شاق معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے مواقع پر آدمی اگر اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کرلے تو اس کا حال بالکل دوسرا ہوجائے گا۔ اس کے بعد تلخ تجربہ بھی شیریں تجربہ بن جائے گا۔ اس کے بعد وہی چیز اس کے لیے رزق ربانی کا سبب بن جائے گی جو عام حالات میں صرف رزق نفسانی کا ذریعہ بنتی ہے۔

مثلاً آپ مسجد حرام میں نماز کے لیے کھڑے ہیں کہ انسانوں کا ہجوم اندر داخل ہوا اور کشادہ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے عین آپ کے سامنے صف باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ کے سامنے اتنی جگہ باقی نہ رہی کہ آپ درست طور پر رکوع کریں یا درست طور پر سجدہ کریں۔ ایسے موقع پر اگر آپ صرف سامنے کے انسانوں کو دیکھیں تو آپ کے اندر غصہ اور نفرت پیدا ہو گی۔ اس کے برعکس اگر آپ خود اپنا احتساب کرنے لگیں تو آپ کا حال بالکل دوسرا ہو جائے گا۔ آپ کہہ اٹھیں گے کہ خدایا، تو میری اس ٹوٹی پھوٹی نماز کو قبول کرلے۔ کیوں کہ میری بظاہر صحیح نماز بھی حقیقتاً اتنی ہی ٹوٹی پھوٹی نماز ہے جتنی کہ میری یہ نماز۔ جو شخص اپنے ذہن کو اس طرح موڑے اس کا حال بالکل دوسرا ہو جائے گا۔ جس واقعہ سے اکثر لوگ صرف انسان بیزاری کی غذا لیتے ہیں اس واقعہ سے اس کو خدا کی قربت کا رزق ملنے لگا۔

اسی طرح حج کے سفر میں طرح طرح کے ناخوش گوار تجربات پیش آتے ہیں۔ رمی اور دوسرے مواقع پر انسانوں کی بھیڑ، منیٰ اور عرفات میں گرمی کی شدت، پانی لینے کے لیے ایک کا دوسرے پر ٹوٹنا وغیرہ۔ اس قسم کی جو مختلف صورتیں حج کے سفر میں پیش آتی ہیں۔ ان میں اگر آپ صرف سامنے کے واقعہ کو دیکھیں تو آپ کے اندر غصہ اور جھنجھلاہٹ کا جذبہ بھڑکے گا۔ اس کے برعکس اگر آپ اس وقت یہ سوچنے لگیں کہ جب دنیا کی چھوٹی مصیبت کا یہ حال ہے تو آخرت کی بڑی مصیبت کا کیا حال ہوگا، تو اچانک آپ یہ محسوس کریں گے کہ جو چیز بظاہر مصیبت نظر آرہی تھی وہ عین راحت بن گئی۔ اس نے خدا کی رحمت بن کر آپ کے اوپر سایہ کر لیا۔

غیر معمولی سفر

حج کے مذکورہ سفرنامہ (۱۹۸۲) میں تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے :

" ۱۹۸۲ میں میں بعض ملکوں کے سفر پر نکلا۔ اس سفر میں حج کا پروگرام شامل نہ تھا۔ حتی کہ میرے ذہن میں اس کا تصور بھی نہ تھا کہ میں حجاز پہونچ کر حج کا فریضہ ادا کروں۔ افریقہ پہونچا تو وہاں ایک بزرگ دوست مل گیے اور ان کے ساتھ اچانک سفر حج کے اسباب پیدا ہو گیے۔ اس معاملہ میں میرے ساتھ بالکل وہ صورت حال پیش آئی جو کسی شاعر نے اپنے اس شعر میں بیان کی ہے :

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال　　کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

یہ میری محرومی تھی کہ میں نے ابھی تک حج کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ وطن سے میں ایک اور سفر

کے لیے نکلا۔ مگر اللہ نے عجیب و غریب طور پر ایشیا اور یورپ اور افریقہ کا سفر کراتے ہوئے مجھ کو ارض حرم میں پہونچا دیا تاکہ میں حج کی سعادت حاصل کر سکوں۔ حج کرنے والا اگرچہ میں تھا مگر حج کرانے والا صرف خدا تھا۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہ تھا۔ آخر کار جب میں حرم میں پہونچا اور کعبہ پر نظر پڑی تو یہ ایک ایسا منظر تھا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کعبہ کو دیکھنا اور کعبہ کے پڑوس میں اپنے آپ کو پانا اتنا پر کیف ربانی تجربہ ہے جس کے اظہار سے میرا قلم عاجز ہے۔ اس غیر متوقع نعمت کو پاکر دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ بے اختیار میری زبان سے نکلا: خدایا، میں نے ابھی تک اپنی زندگی میں حج کا پروگرام نہیں بنایا تھا گویا کہ میں حج کیے بغیر مر جانے پر راضی تھا۔ یہ تیرا کیسا عجیب احسان ہے کہ تو نے مجھ کو اس ناقابل بیان محرومی سے بچا لیا۔"

یہ بظاہر ایک حاجی کے وہ تاثرات ہیں جو مخصوص حالات میں اس پر طاری ہوئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی تاثر ہر حاجی پر طاری ہونا چاہیے۔ ہر حاجی پر یہ کیفیات طاری ہونی چاہئیں کہ وہ اپنے حج کو خدا کی طرف سے کرایا جانے والا حج سمجھے۔ وہ جب ارض حرم میں پہونچے تو وہ محسوس کرے کہ یہ دراصل خدا ہے جس نے اس کو اس نوبت تک پہونچایا ہے۔ وہ ایک عام مسافر کی حیثیت سے اپنے وطن سے نکلا مگر جب وہ منزل پر پہونچا تو وہ خدا کا مہمان تھا۔ اس نے صرف ایک زمینی راستہ طے کیا تھا مگر اللہ نے اس کو ایک ایسے ماحول میں پہونچا دیا جہاں ہر طرف آسمانی برکتیں بکھری ہوئی ہیں۔ اس کے پاس صرف محرومی کا اثاثہ تھا مگر اللہ نے اپنی رحمت خاص سے اس کے کھونے کو پانا بنا دیا۔

فیض بقدر استعداد

کعبہ زمین پر خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تاریخی طور پر یہاں ایسے اسباب فراہم کیے ہیں کہ جو شخص وہاں جائے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بھٹکی ہوئی انسانی روحوں کو خدا کا آغوش دیا جاتا ہے۔ وہاں پتھرائے ہوئے سینوں میں عبدیت کے چشمے جاری کیے جاتے ہیں۔ وہاں بے نور آنکھوں کو خدا کی تجلیات دکھائی جاتی ہیں۔ تاہم اس دنیا میں "فیض بقدر استعداد" کا اصول رائج ہے۔ بیت اللہ کا فیض صرف اس کو ملتا ہے جو اس کی استعداد لے کر وہاں جائے۔ بے استعداد لوگوں کے لیے حج کا سفر بس ایک قسم کی سیاحت ہے۔ وہ وہاں جاتے ہیں تاکہ جیسے گیے تھے ویسے ہی دوبارہ واپس چلے آئیں۔

مذکورہ سفرنامۂ حج (۱۹۸۲) میں حسب ذیل سطریں درج ہیں :

" وہاں میں نے جو خدائی مناظر دیکھے، جس طرح وہ ناقابل بیان ہیں، اسی طرح وہ انسانی مناظر بھی ناقابل بیان ہیں جو وہاں مجھ کو دیکھنے کو ملے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ یا تو دنیا کی باتیں کرنے میں مشغول ہیں یا دنیا کا سامان خریدنے میں۔ کچھ لوگ دوسروں کو دھکا دے کر اپنی پرجوش مذہبیت کا اظہار کر رہے تھے۔ حالاں کہ اس قسم کی چیزیں مقامات حج میں جائز نہیں۔

جہاں ہر طرف خدا کے جلوے بکھرے ہوئے تھے تاکہ آدمی ان میں محو ہو جائے وہاں لوگ انسانی جلوؤں میں گم تھے۔ جہاں خدا کے فرشتے اترے ہوئے تھے تاکہ لوگ ان سے باتیں کریں وہاں لوگ انسانوں سے باتیں کرنے میں مشغول تھے۔ جہاں ہر طرف آخرت کا سامان بک رہا تھا وہاں لوگوں کو دنیا کا سامان خریدنے کے سوا کسی اور چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ جس جگہ کا یہ حق تھا کہ خدا کا ڈر انھیں پیچھے کر دے وہاں لوگ دوسروں کو دھکا دے کر آگے بڑھ جانے کی مہارت دکھا رہے تھے۔

چند تاثرات

مذکورہ سفرنامہ میں حج کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے :

" ۴ اکتوبر ۱۹۸۲ کی شام کو ہم نے طواف وداع کیا، اور رات کو مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ کعبہ کا آخری طواف کر کے جب میں حرم سے نکلا تو میری عجیب کیفیت تھی۔ بار بار مڑ کر حرم کو دیکھتا تھا۔ قدم آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور دل پیچھے کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں اپنے وطن اصلی سے نکل کر وطن غیر کی طرف جا رہا ہوں۔ اس طرح کی کیفیات کے ساتھ ہم مسجد حرام سے رخصت ہو کر ۴ اکتوبر کی شب کو مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔

حرم مدینہ میں داخلہ بڑا اثر انگیز تھا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی ایک پوری تاریخ آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ میری زبان سے یہ دعا نکلی کہ خدایا، میں تیرے رسول پر صلواۃ وسلام بھیجتا ہوں۔ مجھ کو اپنے رسول کی امت میں شامل کر لے۔ مجھ کو ان لوگوں میں لکھ لے جن کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے۔ اور جن کی شفاعت کو قبول کر کے آپ انھیں جہنم سے بچالیں گے اور جنت میں داخل کریں گے ـــــ کیسا عجیب ہے وہ دن جو آچکا اور کیسا عجیب ہے وہ دن جو آنے والا ہے۔

مدینہ میں ہمارا قیام مسجد نبوی کے بالکل قریب ایک ہوٹل میں تھا۔ اذان اور تکبیر تک کی آواز ہمارے کمرے میں پہونچتی تھی۔ کئی دن تک مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ مگر یہاں نمازیوں کا ہجوم اس قدر ہوتا ہے کہ بہ مشکل کسی کو سکون اور توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ مکہ کے قیام کے ابتدائی دنوں میں میرے ساتھ یہی صورت پیش آئی تھی۔ اس کے بعد میں مسجد حرام کی اوپر کی منزل پر نماز پڑھنے لگا۔ وہاں مجھے کافی سکون رہتا تھا۔ مسجد نبوی کو معلوم نہیں کس مصلحت کی بنا پر دو منزلہ نہیں بنایا گیا کہ میرے جیسا کوئی آدمی وہاں پناہ لے سکے۔

مسجد نبوی غیر معمولی طور پر وسیع اور شاندار ہے۔ مگر زائرین کی بڑھتی ہوئی تعداد نے تمام وسعتوں کے باوجود اس کو ناکافی بنا دیا ہے۔ تاہم میرے جیسے آدمی کے لیے یہ منظر کوئی خوش گوار منظر نہ تھا کہ مسجد نبوی کے اطراف کو دکانوں اور ہوٹلوں نے گھیر رکھا ہے۔ صرف ایک طرف کا حصہ دکانوں اور ہوٹلوں سے خالی ہے جس کے اوپر خیمہ نما تعمیرات نمازیوں کے لیے کھڑی ہوئی ہیں۔ کاش مسجد کے چاروں طرف کھلا ہوا میدان ہوتا تو مسجد کی عظمت زیادہ نمایاں ہوتی۔ تقریباً یہی صورت حال حرم مکہ کی بھی ہے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۸۲ کو حج کے مناسک کی تکمیل ہوئی۔ اور ہم دوبارہ مکہ واپس آئے۔ مطابع دار الثقافہ (مکہ) کی طرف سے ہر سال حاجیوں کے اعداد و شمار شائع کیے جاتے ہیں۔ اس کے اعلان کے مطابق اس سال (۱۴۰۲ھ) سعودی عرب کو چھوڑ کر دوسرے تمام ممالک سے آنے والے حاجیوں کی کل تعداد ۸۵۳۵۵۵ تھی۔ زیادہ تعداد والے چند ملکوں کے نام یہ ہیں:

۱-	مصر	۹۸۴۰۸
۲-	ایران	۸۹۵۰۳
۳-	نائیجیریا	۸۱۱۲۸
۴-	پاکستان	۷۲۸۴۴
۵-	انڈونیشیا	۵۷۴۷۸
۶-	ترکی	۵۳۷۸۸
۷-	الجزائر	۴۰۴۰۰

۸۔ شام ۲۷۸۹۰

۹۔ ہندستان ۲۶۲۲۹

سعودی حکومت نے بے شمار اعلیٰ انتظامات کیے ہیں۔ ان انتظامات نے موجودہ زمانہ میں حج کو بہت آسان بنا دیا ہے۔ تاہم ایک چیز ایسی ہے جس کا اس کے پاس شاید کوئی حل نہیں۔ اور وہ حاجیوں کا ہجوم ہے۔ خاص طور پر شیطان کو پتھر مارنے کے موقع پر لوگ جس طرح ایک دوسرے کے اوپر ٹوٹتے ہیں وہ انتہائی حد تک افسوس ناک ہے۔ بے شمار انسان بیک وقت شیطان کو مارنے کے لیے اس طرح ہجوم کرتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامتی شیطان کو کنکری مارنے کا انھیں اتنا جوش ہے کہ اس کی خاطر وہ حقیقی انسان کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ خدا کے ایک حکم کی تعمیل کے شوق میں خدا کے دوسرے حکم کو نظر انداز کرنے کی اس سے زیادہ بری مثال اب تک میں نے اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھی تھی۔ کئی آدمی ایسے نظر پڑے جن کے ہاتھ یا پاؤں میں پلاسٹر بندھا ہوا تھا۔ ایک منظر یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ رمی کے وقت ایک حاجی گر پڑا اور حاجیوں کے قدموں کے نیچے کچل کر ختم ہو گیا۔ لوگوں نے بتایا کہ اس طرح کے واقعات ہر سال ہوتے رہتے ہیں۔ کیسا عجیب ہے وہ حج جس میں انسان دشمن کی ایک علامت کو مارنے کے جوش میں خود انسان کو مار ڈالا جائے۔"

تجدید ایمان

حج ایک قسم کا تجدید ایمان ہے۔ حج سے پہلے کا ایمان گویا ایک موقت ایمان ہے۔ اس کے بعد مومن جب مکہ پہونچتا ہے اور لبیک لبیک کہہ کر بیت اللہ کا طواف کرتا ہے تو گویا وہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہے۔ وہ براہِ راست خدا سے "بیعت" ہوتا ہے۔

حج کے بعد گناہوں کی معافی عین اس قانون کے تحت ہے جو قبولیت اسلام سے متعلق ہے۔ اسلام قبول کرنے بعد آدمی کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بندے کے ساتھ یہ معاملہ ایمانِ اوّل کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایمان ثانی کے بعد گویا اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ ایمان اوّل اگر بالواسطہ ایمان تھا تو ایمان ثانی براہِ راست ایمان ہے۔ معذوری کی حالت میں ایمان اول ہی خدا کی رحمت سے آدمی کے گناہوں کی معافی کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ مگر صاحب استطاعت کے لیے ایمان ثانی کے بعد اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو اور پھر

بھی حج ادا کیے بغیر مرجائے تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرا یا نصرانی ہو کر مرا (من ملک زادًا وراحلة تبلغه حج بیت الله الحرام ولم یحج فلا علیه ان یموت یهودیا او نصرانیا ، رواه الترمذی والبیهقی)

اسلام کا خلاصہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنا ہے۔ حج میں یہ جوالگی پوری طرح عمل میں آتی ہے۔ عرفات کے میدان میں جب تمام حاجی "حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں" کہتے ہوئے جمع ہوتے ہیں تو یہ اسی بات کا ایک اجتماعی مظاہرہ ہوتا ہے۔ حج گویا خدا کے سامنے حاضری ہے۔ قیامت میں ہر شخص گرفتار کر کے خدا کے یہاں حاضر کیا جائے گا، حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں پہونچنا گویا خود اپنی مرضی سے خدا کے یہاں حاضر ہو جانا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حج تمام عبادتوں کا سردار ہے۔ کعبہ کا جو درجہ دوسری مسجدوں کے درمیان ہے وہی درجہ حج کا دوسری عبادتوں کے درمیان۔

تذکیر القرآن

تذکیر القرآن جلد دوم (تا سورہ الناس) مکمل ہو گئی ہے۔ انشاء اللہ جلد شائع ہو جائے گی۔

قیمت میں اضافہ

تمام چیزوں میں غیر معمولی اضافہ کی وجہ سے الرسالہ کے اخراجات ناقابل برداشت حد تک بڑھ گیے ہیں۔ چنانچہ یہ تجویز ہے کہ الرسالہ کی قیمت میں اضافہ کر کے فی شمارہ چار روپیہ اور سالانہ ۴۸ روپے کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں آخری اعلان آئندہ کیا جائے گا۔

حج اور اتحاد

حج کا ایک پہلو اسلامی اتحاد ہے۔ حج کے موقع پر تمام دنیا کے مسلمان ایک مقام پر اکٹھا ہوتے ہیں اور ایک ساتھ حج کے مراسم ادا کرتے ہیں۔ حج مسلمانوں کا عالمی دینی اجتماع ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی چند آیتوں پر غور کیجئے :

واذ جعلنا البیت مثابة للناس و امنا (البقرہ ۱۲۵)	اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے اجتماع کی جگہ اور امن کا مقام بنا دیا۔
ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وھدی للعالمین۔ (آل عمران ۹۶)	بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہاں کے لیے ہدایت کا مرکز۔
جعل اللہ الکعبة البیت الحرام قیاما للناس۔ (المائدہ ۹۷)	اللہ نے کعبہ، حرمت والے گھر، کو لوگوں کے لیے قیام کا باعث بنایا۔
فاجعل افئدة من الناس تھوی الیھم (ابراہیم ۳۷)	پس اے اللہ، تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے۔
واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (الحج ۲۷)	اور تم لوگوں میں حج کے لیے پکار دو کہ وہ تمہاری طرف آئیں پیدل چل کر اور سوار ہو کر، وہ دبلے اونٹوں پر چلے آئیں دور کی راہوں سے۔

توحید کا عالمی مرکز

قرآن کی ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے ذریعہ حجاز میں کعبہ کی تعمیر خاص طور پر

اس لیے کی گئی تھی کہ وہ اہل توحید کا مرکز بنے۔ قریب کے لوگ بھی آئیں اور دور کے لوگ بھی سواریوں کے ذریعہ وہاں پہونچیں۔ کعبہ کے گرد ایسے تاریخی اسباب پیدا کیے گئے کہ لوگوں کے دل اس کی طرف کھنچیں۔ اور ہر طرف سے لوگ امنڈ کر وہاں پہونچیں۔ بیت اللہ قیامت تک کے لیے خدا کا مقرر کیا ہوا عالمی اسلامی مرکز ہے۔ وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا بین اقوامی اجتماع گاہ ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ لوگوں سے پکار کر کہو کہ وہ سفر کر کے اس گھر کے حج کے لیے آئیں:

قال یارب کیف ابلغ الناس وصوتی لاینفذهم فقال نادِ وعلینا البلاغ۔ فقام علی الحجر وقال یا ایها الناس ان ربکم قد اتخذ بیتا فحجوه۔ فیقال ان الجبال تواضعت حتی بلغ الصوت ارجاء الارض وسمع من فی الارحام والاصلاب واجابه کل شیٔ سمعه من حجر ومدر وشجر ومن کتب الله انه یحج الی یوم القیامة، لبیک اللهم لبیک۔

(تفسیر ابن کثیر، الجزء الثالث، صفحہ ۲۱۶)

حضرت ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب کیسے میں لوگوں کو پکاروں اور میری آواز ان تک نہیں پہونچے گی۔ اللہ نے کہا تم پکارو اور ہمارے اوپر ہے پہونچانا۔ پس حضرت ابراہیم پتھر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے لوگو، تمہارے رب نے ایک گھر مقرر کیا ہے، تم اس کا حج کرو۔ پس کہا جاتا ہے کہ پہاڑ جھک گئے یہاں تک کہ آواز زمین کے کناروں تک پہونچ گئی اور انھوں نے بھی سن لیا جو رحم میں تھے۔ اور پتھر اور خیمہ اور درخت اور جس پر قیامت تک اللہ نے لکھ دیا تھا کہ وہ حج کرے گا سب نے سنا اور یہ کہا: ہم حاضر ہیں خدایا ہم حاضر ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابراہیم نے جس وقت پکارا عین اسی وقت حال اور مستقبل کے تمام لوگوں نے آپ کی آواز کو سن لیا۔ حضرت ابراہیم کی پکار علامتی پکار تھی۔ بے شک تمام لوگوں نے اس کو سنا۔ مگر یہ سننا اس وقت بالقوہ طور پر تھا نہ کہ بالفعل طور پر۔ حضرت ابراہیم کی پکار دراصل ایک مسلسل واقعہ کا آغاز تھا۔ آپ نے اپنے وقت میں پکارا۔ آپ کے بعد دوسرے لوگوں نے آپ کی آواز کو لے کر اسے دوسروں کو سنایا۔ پھر اسی طرح لوگ نسل در نسل پکارتے رہے۔ پریس اور ریڈیو کا دور

آیا تو پریس اور ریڈیو کے ذریعہ یہ پکار مزید تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہوئی۔ وہ پہاڑوں اور سمندروں کو پار کر کے دور دور تک پہونچ گئی۔ یہاں تک کہ اس کا اندیشہ ختم ہوگیا کہ کوئی شخص بھی اس پیغمبرانہ پکار کو سننے سے خالی رہ جائے۔

عمومی اعلان

حج اجتماعی امور کے اعلان کا فطری مقام ہے۔ چنانچہ اسلام کے اہم ترین امور کا اعلان حج کے موقع پر کیا گیا۔ اس کی ایک مثال اعلان برارت ہے جو سورہ توبہ کے اترنے کے بعد کیا گیا۔

مکہ رمضان ۸ھ میں فتح ہوا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تین حج پڑے ہیں۔ ابتدائی دو حج میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لے گیے۔ آپ نے صرف ۱۰ھ میں حج ادا فرمایا جو عام طور پر حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

۹ھ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر الحجاج مقرر فرمایا اور ان کے ساتھ دوسرے صحابہ حج کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر کی روانگی کے بعد سورہ توبہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں یہ حکم تھا کہ اس بات کا اعلان کر دو کہ اللہ اور رسول مشرکین سے بری ہیں۔ اور اب آخری فیصلہ کے لیے انھیں صرف چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں روایات میں آتا ہے:

لما نزلت براءۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد کان بعث ابا بکر لیقیم الحج للناس فقیل یا رسول اللہ، لو بعثت الی ابی بکر فقال: لا یؤدی عنی الا رجل من اھل بیتی۔ ثم دعا علیاً فقال: اذھب بھذہ القصۃ من سورۃ براءۃ و اذن فی الناس یوم النحر اذا اجتمعوا بمنی انہ لا یدخل الجنۃ کافر ولا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر برارت اتری، اور آپ حضرت ابوبکر کو بھیج چکے تھے کہ وہ لوگوں کو حج ادا کرائیں، اس وقت کہا گیا کہ اے خدا کے رسول، آپ اس کو ابوبکر کے پاس بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے گھر کا کوئی آدمی اس کو انجام دے سکتا ہے۔ پھر آپ نے حضرت علی کو بلایا اور کہا کہ سورہ برارت کے اس معاملہ کو لے کر جاؤ اور یوم النحر کو جب لوگ منی میں جمع ہوں تو ان کے درمیان اعلان

بالبیت عریان

تفسیر ابن کثیر، الجزء الثانی، صفحہ ۳۳۴

کر دو کہ کافر جنت میں نہیں جائے گا۔ اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی شخص عریاں ہو کر کعبہ کا طواف نہیں کرنے پائے گا۔

حضرت علی کہتے ہیں کہ میں مکہ گیا اور مجمع عام میں گھوم گھوم کر بآواز بلند اس کا اعلان کرتا رہا یہانتک کہ میری آواز بیٹھ گئی (قال فکنت انادی حتی صحل صوتی)

مشرکین عرب سے برارت کا حکم مدینہ میں اترا مگر اس کا اعلان مکہ میں موسم حج میں کیا گیا یہ واضح طور پر اس کا ثبوت ہے کہ اسلام کے تمام اہم فیصلوں کے اعلان کا اصل مقام مکہ اور زمانہ حج ہے۔ حج تمام دنیا کے مسلمانوں کا اجتماعی مرکز ہے۔ یہیں ان کو جمع ہونا ہے۔ یہیں انھیں اپنے بڑے بڑے فیصلوں کا اعلان کرنا ہے۔ اور یہیں سے وہ عالمی منصوبہ بندی کرنی ہے جو خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ان کے لیے ضروری ہو۔

اس سلسلہ میں دوسری نمایاں مثال حجۃ الوداع کے خطبہ کی ہے۔ یہ آپ کا اہم ترین خطاب ہے۔ آپ اپنی وفات سے پہلے آخری طور پر لوگوں کو بتا دینا چاہتے تھے کہ دین کے بنیادی تقاضے کیا ہیں۔ مگر ان کا اعلان آپ نے کہیں اور نہیں کیا بلکہ اس کو موخر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۰ھ میں حج کے موقع پر ان کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ خطبہ کے شروع میں یہ الفاظ آئے ہیں :

یا ایھا الناس اسمعوا قولی فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا بھذا الموقف ابدا

اے لوگو، میری بات سنو۔ کیوں کہ میں نہیں جانتا کہ شاید میں اس سال کے بعد تم سے اس مقام پر کبھی نہ ملوں۔

سیرۃ ابن ہشام، الجزء الرابع، صفحہ ۲۷۵

اس کے بعد آپ نے تمام بنیادی باتیں لوگوں کو بتائیں اور آخر میں فرمایا : الا ھل بلغت الا ھل بلغت (کیا میں نے پہونچا دیا، کیا میں نے پہونچا دیا) لوگوں نے گواہی دی کہ ہاں، آپ نے پہونچا دیا۔

فتح مکہ (۸ھ) کے بعد پورا عرب آپ کے لیے مسخر ہو چکا تھا۔ آپ عرب کے کسی بھی مقام پر پہونچ کر

یہ اعلان کرسکتے تھے۔ اس وقت مدینہ اسلام کا سیاسی مرکز تھا۔ آپ یہ بھی کرسکتے تھے کہ لوگوں کو مدینہ میں بلائیں اور وہاں لوگوں کے سامنے ان باتوں کا اعلان کریں جن کا اعلان آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا مگر آپ نے ان میں سے کوئی طریقہ اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ حج کا انتظار کیا اور حج کے موقع پر مکہ پہونچ کر ان کا اعلان کیا۔ آپ کی یہ سنت اس کا واضح ثبوت ہے کہ حج اسلام کی تمام اہم باتوں کا مقام اعلان ہے۔

فطری انداز

اس اہتمام کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسلام ہمیشہ سادہ اور فطری طریقہ کو پسند کرتا ہے۔ مثلاً حج کے اعمال میں سے ایک عمل یہ ہے کہ صفا اور مروہ (پہاڑیوں) کے درمیان سعی کی جائے۔ اس سلسلہ میں ایک سوال ترتیب کا تھا۔ یعنی یہ کہ سعی کا عمل صفا کی طرف سے شروع کیا جائے یا مروہ کی طرف سے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر یہ عمل کیا تو فرمایا: ابدأ بما بدأ اللہ بہ (میں اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ نے شروع کیا)

اس سے آپ کا اشارہ قرآن کی اس آیت کی طرف تھا: ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ (البقرہ ۱۵۸) یہ وہ آیت ہے جس میں حاجی کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت کی ترتیب بیان یہ ہے کہ اس میں صفا کا لفظ پہلے ہے اور مروہ کا لفظ اس کے بعد ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ترتیب بیان ہی کو ترتیب عمل بھی بنالو۔ تاکہ ایک ترتیب کا یاد رکھنا دوسری ترتیب کے لیے کافی ہوجائے۔ دو ترتیب الگ الگ یاد رکھنی نہ پڑے۔

حج کو مقام اعلان بنانے میں بھی یہی فطری حکمت ہے۔ حج کی عبادت کو ادا کرنے کے لیے تمام دنیا کے مسلمان ہر سال ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور ہمیشہ جمع ہوتے رہیں گے۔ اس لیے اللہ نے اسی کو اجتماعی اعلان کا مقام بنا دیا۔ تاکہ ایک ہی اجتماع دونوں مقصد کے حصول کے لیے کافی ہوجائے۔

حج کے موقع پر اجتماعی اعلان کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس طرح اس کو ایک مقدس حیثیت حاصل ہوجاتی ہے۔ حج کا مقام مسلمانوں کا انتہائی مقدس مقام ہے، اس لیے جو اعلان حج کے مقام پر کیا جائے وہ بھی اپنے آپ لوگوں کی نظر میں مقدس اور محترم بن جائے گا۔

حج کی اجتماعیت

حج اسلام کی ایک نہایت اہم سالانہ عبادت ہے۔ وہ قمری کلنڈر کے آخری ماہ ذوالحجہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ حج کی عبادت کے مراسم بیت اللہ (مکہ) میں یا اس کے آس پاس کے مقامات پر ادا کیے جاتے ہیں جو عرب میں واقع ہے۔ اس عبادت کو تمام عبادتوں کا جامع کہا جاتا ہے چنانچہ اس میں ہر قسم کے عبادتی پہلو پائے جاتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک اجتماعی پہلو بھی ہے حج کی عبادت میں اجتماعیت کا پہلو بہت نمایاں طور پر موجود ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا (۱۹۸۴) میں حج کی تفصیل دیتے ہوئے یہ جملہ لکھا گیا ہے :

About 2,000,000 persons perform the Hajj each year, and the rite serves as a unifying force in Islam by bringing followers of diverse background together in religious celebration.

Encyclopedia Britannica,1985, Vol IV, p. 844

تقریباً دو ملین آدمی ہر سال حج کرتے ہیں اور یہ عبادت مختلف ملکوں کے مسلمانوں کو ایک مذہبی تقریب میں یکجا کرکے اسلام میں اتحادی طاقت کا کام کرتی ہے۔

قرآن میں حج کا حکم دیتے ہوئے یہ الفاظ آئے ہیں : واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا (البقرہ ۱۲۵) یعنی خدا نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے مثابہ بنایا اور اس کو امن کی جگہ بنا دیا۔ مثابہ کے معنی عربی زبان میں تقریباً وہی ہیں جس کو آج کل کی زبان میں مرکز کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہوں۔ جس کی طرف سب لوگ رجوع کریں جو سب کا مشترک مرجع اور شیرازہ ہو۔

حج کی عبادت کے لیے ساری دنیا سے ہر ہر ملک کے لوگ آتے ہیں، ہر ہر قوم کے لوگ آتے ہیں۔ ان کی تعداد سالانہ تقریباً ۲۵ لاکھ ہو جاتی ہے۔ حج کے موسم میں مکہ اور اس کے آس پاس ہر طرف آدمی ہی آدمی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ ان کے حلیے الگ الگ ہوتے ہیں۔ مگر یہاں آنے کے بعد سب کی سوچ ایک ہو جاتی ہے۔ سب ایک ہی مشترک نشانہ پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی ربانی مقناطیس ہے

جو "لوہے" کے تمام ٹکڑوں کو ایک نقطہ پر کھینچے چلا جا رہا ہے۔

مختلف ملکوں کے یہ لوگ جب مقامِ حج کے قریب پہونچتے ہیں تو سب کے سب اپنا قومی لباس اتار دیتے ہیں اور سب کے سب ایک ہی مشترک لباس پہن لیتے ہیں جس کو احرام کہا جاتا ہے۔ احرام باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر سلی ہوئی ایک سفید چادر نیچے تہمد کی طرح پہن لی جائے اور اسی طرح ایک سفید چادر اوپر سے جسم پر ڈال لی جائے۔ اس طرح لاکھوں انسان ایک ہی وضع اور ایک ہی رنگ کے لباس میں ملبوس ہو جاتے ہیں۔

یہ سارے لوگ مختلف مراسم ادا کرتے ہوئے بالآخر عرفات کے وسیع میدان میں اکھٹا ہوتے ہیں۔ اس وقت ایک عجیب منظر ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انسانوں کے تمام فرق اچانک مٹ گیے ہیں۔ انسان اپنے تمام اختلافات کو کھو کر خدائی وحدت میں گم ہو گیے ہیں۔ تمام انسان ایک ہو گیے ہیں جیسے ان کا خدا ایک ہے۔

عرفات کے وسیع میدان میں جب احرام باندھے ہوئے تمام حاجی جمع ہوتے ہیں اس وقت کسی بلندی سے دیکھا جائے تو ایسا نظر آئے گا کہ زبان، رنگ، حیثیت، جنسیت کے فرق کے باوجود سب کے سب انسان بالکل ایک ہو گیے ہیں۔ اس وقت مختلف قومیتیں ایک ہی بڑی قومیت میں ضم ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حج اجتماعیت کا اتنا بڑا مظاہرہ ہے کہ اس کی کوئی دوسری مثال غالباً دنیا میں کہیں اور نہیں ملے گی۔

کعبہ مسلمانوں کا قبلۂ عبادت ہے۔ مسلمان ہر روز پانچ وقت اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ گویا ساری دنیا کے مسلمانوں کا عبادتی قبلہ ایک ہی ہے۔ عام حالت میں وہ ایک تصوراتی حقیقت ہوتا ہے۔ مگر حج کے دنوں میں مکہ پہونچ کر وہ ایک آنکھوں دیکھی حقیقت بن جاتا ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان یہاں پہونچ کر جب اس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تو محسوس طور دکھائی دینے لگتا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا مشترک قبلہ ایک ہی ہے۔

کعبہ ایک چوکور قسم کی اونچی عمارت ہے۔ اس عمارت کے چاروں طرف گول دائرہ میں سارے لوگ گھومتے ہیں جس کو طواف کہا جاتا ہے۔ وہ صف بہ صف ہو کر اس کے گرد گول دائرہ میں عبادت کرتے ہیں۔ حج کے دوران وہ ان کی تمام توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے۔ اس طرح حج ایک ایسی

عبادت بن جاتا ہے جو اپنے تمام اعمال اور تقریبات کے ساتھ انسان کو اجتماعیت اور مرکزیت کا سبق دے رہا ہو۔

حج کی تاریخ

حج کی تاریخ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی زندگی سے وابستہ ہے۔ یہ دونوں ہستیاں وہ ہیں جن کو نہ صرف مسلمان خدا کا پیغمبر مانتے ہیں بلکہ دوسرے بڑے مذاہب کے لوگ بھی ان کو عظیم پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ اس طرح حج کے عمل کو تاریخی طور پر تقدس اور عظمت کا وہ درجہ مل گیا ہے جو دنیا میں کسی دوسرے عمل کو حاصل نہیں۔

حضرت ابراہیم قدیم عراق میں پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیل ان کے صاحبزادے تھے۔ اس وقت عراق ایک شاندار تمدن کا ملک تھا۔ آزر حضرت ابراہیم کے والد اور حضرت اسماعیل کے دادا تھے۔ ان کو عراق کے سرکاری نظام میں اعلیٰ عہدہ دار کی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے لیے عراق میں شاندار ترقی کے اعلیٰ مواقع کھلے ہوئے تھے۔ مگر عراق کے مشرکانہ نظام سے وہ موافقت نہ کر سکے۔ ایک خدا کی پرستش کی خاطر انھوں نے اس علاقہ کو چھوڑ دیا جو کئی خداؤں کی پرستش کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ عراق کے سرسبز ملک کو چھوڑ کر عرب کے خشک صحرا میں چلے گئے جہاں کی سنسان دنیا میں خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی اور چیز حائل نہ تھی۔ یہاں انھوں نے ایک خدا کے گھر کی تعمیر کی۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے اس عمل کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کئی خداؤں کو اپنا مرجع بنانے کے بجائے ایک خدا کو اپنا مرجع بنایا۔ اور اس مقصد کے لیے بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر کی جو خدائے واحد کی عبادت کا عالمی مرکز ہے۔ یہی مرکز توحید حج کے مراسم کی ادائیگی کا مرکز بھی ہے۔

حج کی عبادت میں جو مراسم ادا کیے جاتے ہیں ان کے بعض پہلوؤں کو دیکھیے۔ حج کے دوران حاجی سب سے زیادہ جو کلمہ بولتا ہے وہ یہ ہے:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر
اللہ اکبر وللہ الحمد

اللہ سب سے بڑا ہے ، اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اور اسی کے لیے ہے ساری تعریف ۔

حاجی کی زبان سے بار بار یہ الفاظ کہلوا کر تمام لوگوں کے اندر یہ نفسیات پیدا کی جاتی ہے کہ بڑائی صرف ایک اللہ کی ہے ۔ اس کے سوا جتنی بڑائیاں ہیں سب اس لیے ہیں کہ اسی ایک عظیم تر بڑائی میں گم ہو جائیں ۔ یہ احساس اجتماعیت کا سب سے بڑا راز ہے ۔ اجتماعیت اور اتحاد ہمیشہ وہاں نہیں ہوتا جہاں ہر آدمی اپنے کو بڑا سمجھ لے ۔ اس کے برعکس جہاں تمام لوگ کسی ایک کے حق میں اپنی انفرادی بڑائی سے دست بردار ہو جائیں وہاں اتحاد اور اجتماعیت کے سوا کوئی اور چیز پائی نہیں جاتی ۔ بے اتحادی بڑائیوں کی تقسیم کا نام ہے اور اتحاد بڑائیوں کی وحدت کا ۔

اسی طرح حج کا ایک اہم رکن طواف ہے ۔ دنیا بھر کے لوگ جو حج کے موسم میں مکہ میں جمع ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے کعبہ کا طواف کرتے ہیں ۔ یہ اس بات کا عملی اقرار ہے کہ آدمی اپنی کوششوں کا مرکز و محور صرف ایک نقطہ کو بنائے گا ۔ وہ ایک ہی دائرہ میں حرکت کرے گا ۔ یہ عین وہی مرکزیت ہے جو مادی سطح پر نظام شمسی میں نظر آتی ہے ۔ نظام شمسی کے تمام سیارے ایک ہی سورج کو مرکزی نقطہ بنا کر اس کے گرد گھومتے ہیں ۔ اسی طرح حج یہ سبق دیتا ہے کہ انسان ایک خدا کو اپنا مرجع بنا کر اس کے دائرے میں گھومے ۔

اس کے بعد حاجی صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے ۔ وہ صفا سے مروہ کی طرف جاتا ہے اور پھر مروہ سے صفا کی طرف لوٹتا ہے ۔ اس طرح وہ سات چکر لگاتا ہے ۔ یہ عمل کی زبان میں اس بات کا سبق ہے کہ آدمی کی دوڑ دھوپ ایک حد کے اندر بندھی ہوئی ہونی چاہیے ۔ اگر آدمی کی دوڑ دھوپ کی کوئی حد نہ ہو تو کوئی ایک طرف بھاگ کر نکل جائے گا اور کوئی دوسری طرف ۔ مگر جہاں دوڑ دھوپ کی حد بندی کر دی گئی ہو وہاں ہر آدمی بندھا رہتا ہے ۔ وہ بار بار وہیں لوٹ کر آتا ہے جہاں اس کے دوسرے بھائی اپنی سرگرمیاں جاری کیے ہوئے ہوں ۔ یہی حج کے دوسرے تمام مراسم کا حال ہے ۔ حج کے تمام مراسم مختلف پہلوؤں سے

لوگوں کو ایک ہونے اور مل کر کام کرنے کا سبق دیتے ہیں۔ وہ ایک آواز پر حرکت کرنے کا عملی مظاہرہ ہیں۔

مرکز اتحاد

حج اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے خدا کی طرف سفر ہے۔ عام انسان موت کے بعد خدا کے دربار میں حاضر ہوں گے، مومن موت سے پہلے ہی اپنے آپ کو خدا کے دربار میں حاضر کر دیتا ہے۔ دوسروں کی خدا کے یہاں حاضری مجبورانہ حاضری ہے۔ اور مومن کی خدا کے یہاں حاضری اختیارانہ حاضری۔ عرفات کے میدان میں بیک وقت ساری دنیا کے حاجیوں کا اجتماع یہی منظر پیش کرتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے: الحج عرفۃ (عرفہ ہی حج ہے)

تاہم حج ایک جامع عبادت ہے۔ اس میں دوسرے تمام پہلو بھی براہ راست یا بالواسطہ انداز میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ انھیں مزید فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ حج عالمی اسلامی اتحاد کا ذریعہ ہے کعبہ گویا وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد دنیا بھر کے خدا پرستوں کا عبادتی دائرہ قائم ہوتا ہے۔

عرفات کی حاضری کا اصل پہلو وہی ہے جو اخروی ہے۔ تاہم اس میں اہل اسلام کے اتحاد کا بھی گہرا راز چھپا ہوا ہے۔ کیوں کہ اتحاد ایک مرکز پر جمع ہونے کا نام ہے۔ مسلمان جب حج کے موقع پر اپنے رب کے گرد اکٹھا ہوتے ہیں تو اس عمل کے دوران وہ اس مرکزی نقطہ کو بھی دریافت کر لیتے ہیں جو ان کی کثرت کو وحدت میں تبدیل کر سکے۔ وہ اپنی آخرت کا راز پانے کے ساتھ اپنی دنیا کا راز بھی پا لیتے ہیں۔

میرے سامنے دیوار پر بیت اللہ کی تصویر ہے۔ وسیع مسجد کے درمیان کعبہ کی جانی پہچانی عمارت ہے اور اس کے چاروں طرف لاکھوں انسان گول دائرہ میں اپنے رب کے آگے جھکے ہوئے عبادت کر رہے ہیں۔ یہ سالانہ اجتماعی نماز ہے جو ہر بار حج کے مہینہ میں ادا کی جاتی ہے۔ اس میں دنیا بھر کے ۲۵ لاکھ سے زیادہ مسلمان شرکت کرتے ہیں۔ یہ پوری طرح ایک مرئی واقعہ ہے اور اس کا فوٹو لیا جا سکتا ہے۔

مگر کعبہ کو قبلہ بنا کر اس کے گرد نماز پڑھنے والے صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو حرم کعبہ میں دکھائی دیتے ہیں، حرم کعبہ کے باہر کے مسلمانوں کا معاملہ بھی یہی ہے۔ تمام عرب کے لوگ

اسی طرح روزانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح سارے ایشیا اور افریقہ کے مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ دائرہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سارے کرۂ ارض پر پھیل جاتا ہے۔

تصور کی آنکھوں سے دیکھئے تو جو واقعہ صحن کعبہ میں ہوتا ہے وہی واقعہ زیادہ بڑے پیمانہ پر ہر روز ساری دنیا میں ہو رہا ہے۔ ساری دنیا کے لوگ روزانہ پانچ بار کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔

وہ ساری دنیا میں کعبہ کے چاروں طرف کھڑے ہوتے ہیں۔ اس طرح گویا ہر روز پانچ بار روئے زمین پر مسلمانوں کا گول دائرہ بنتا ہے۔ درمیان میں کعبہ ہوتا ہے اور ساری دنیا میں اس کے گرد دائرہ بنائے ہوئے مسلمان نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی عظیم اور مکمل اجتماعیت ہے جس کی مثال کسی بھی دوسرے مذہبی یا غیر مذہبی گروہ کے یہاں نہیں ملتی۔

یہ ایک عظیم الشان نظام ہے جو ہزاروں سال کی تاریخ کے ذریعہ قائم ہوا ہے۔ مسلمانوں کے

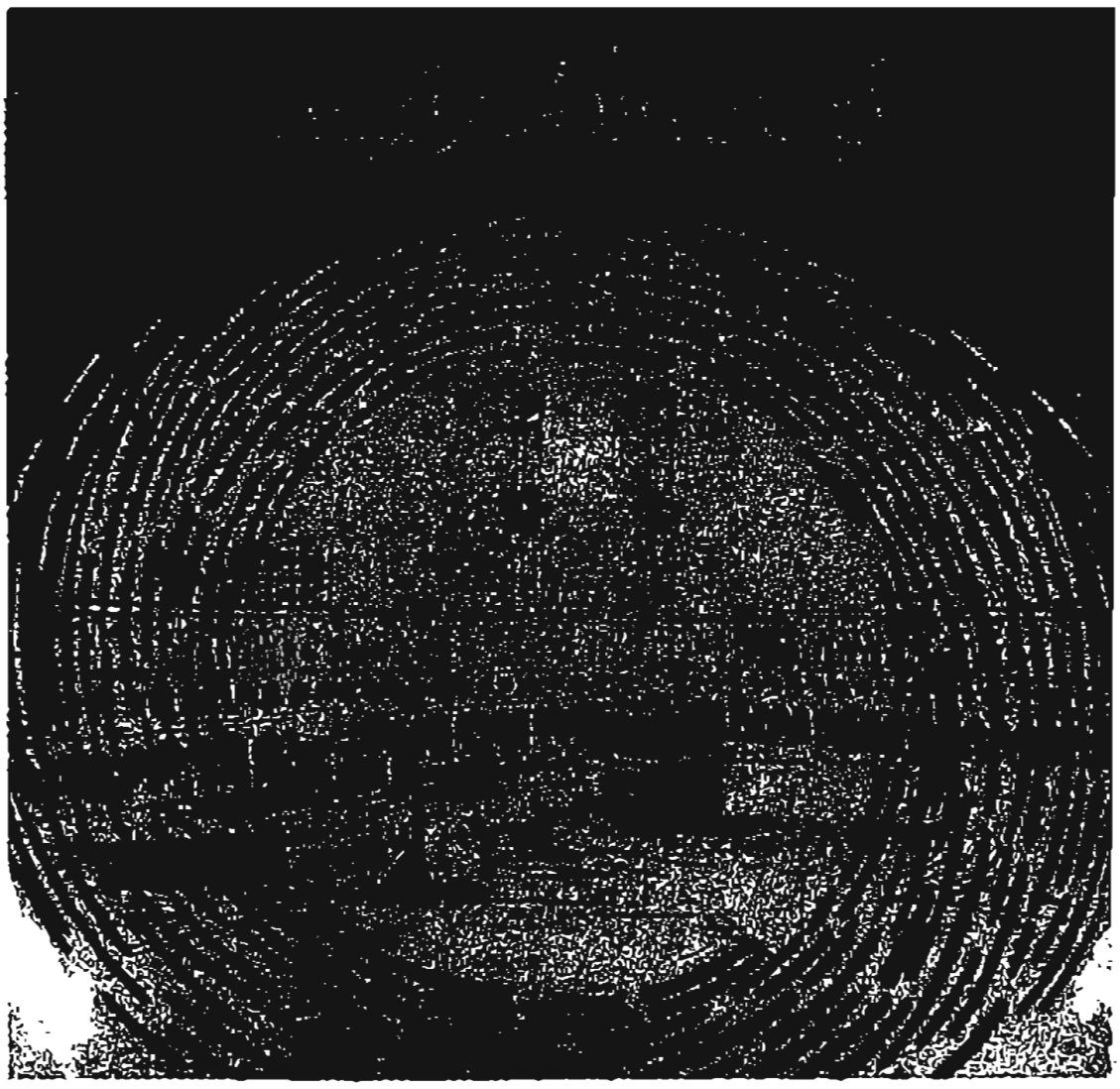

اندر اگر اس کا حقیقی شعور ہو اور وہ اس سے وہ سبق لے سکیں جس کے لیے یہ عظیم الشان نظام بنایا گیا ہے تو مسلمانوں کی زندگی میں ایک انقلاب آجائے۔ ان کا ہر فرد ایک عالم گیر مقدس اجتماعیت کے ساتھ متحد ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ کعبہ زمین پر خدا کا نشان ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کے اتحاد اور اجتماعیت کا نشان بھی۔

ایکتا کے اس عظیم تربیتی نظام ہی کا یہ بھی ایک ظاہری پہلو ہے کہ تمام لوگوں سے ان کے انفرادی لباس اُتروا کر سب کو ایک ہی سادہ لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ یہاں بادشاہ اور رعایا کا فرق مٹ جاتا ہے۔ یہاں مشرقی لباس اور مغربی لباس کے امتیازات فضا میں گم ہو جاتے ہیں۔ احرام کے مشترک لباس میں تمام لوگ اس طرح نظر آتے ہیں جیسے کہ تمام لوگوں کی صرف ایک حیثیت ہے۔ تمام لوگ صرف ایک خدا کے بندے ہیں۔ اس کے سوا کسی کو کوئی اور حیثیت حاصل نہیں۔

حج کے مقررہ مراسم اگرچہ مکہ میں ختم ہو جاتے ہیں مگر بیشتر حاجی حج سے فارغ ہو کر مدینہ بھی جاتے ہیں۔ مدینہ کا قدیم نام یثرب تھا۔ مگر پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں اس کو اپنا مرکز بنایا۔ اس وقت سے اس کا نام مدینۃ النبی (نبی کا شہر) پڑ گیا۔ مدینہ اسی کا اختصار ہے۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی مسجد ہے۔ یہاں آپ کی قبر ہے۔ یہاں آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے نشانات بکھرے ہوئے ہیں۔

ان حالات میں حاجی جب مدینہ پہونچتے ہیں تو یہ ان کے لیے مزید اتحاد اور اجتماعیت کا عظیم سبق بن جاتا ہے۔ یہاں کی مسجد نبوی میں وہ اس یاد کو تازہ کرتے ہیں کہ ان کا رہنما صرف ایک ہے۔ وہ یہاں سے یہ احساس لے کر لوٹتے ہیں کہ ان کے اندر خواہ کتنے ہی جغرافی اور قومی فرق پائے جاتے ہوں، انھیں ایک ہی پیغمبر کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے۔ انھیں ایک ہی مقدس ہستی کو اپنی زندگی کا رہنما بنانا ہے۔ وہ خواہ کتنے ہی زیادہ اور کتنے ہی مختلف ہوں مگر ان کا خدا بھی ایک ہے اور ان کا پیغمبر بھی ایک۔

۱۔ ماہ رمضان (۱۴۰۶) میں مرکز کا ماہانہ اجتماع نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے بعد ۲۹ جون ۱۹۸۶ کو حسب معمول ماہانہ اجتماع ہوا۔ صدر اسلامی مرکز دہلی میں موجود نہ تھے اس لیے حاضرین کو ان کی ایک تقریر کا ٹیپ سنایا گیا۔

۲۔ ۲۶ ۔ ۳۰ جون ۱۹۸۶ کو ایک عالمی مذاہب کانفرنس بنگلور میں ہوئی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز بھی اس میں شریک ہوئے اور وہاں اپنا مقالہ پیش کیا جس کا عنوان تھا ـــــ داعی کا اخلاق :

Missionary Ethics

اس سفر کی روداد آئندہ انشاء اللہ الرسالہ میں شائع کر دی جائے گی۔

۳۔ "الرسالہ کیسٹ" پر اخبار بلٹز ۷ جون ۱۹۸۶ نے تبصرہ کیا ہے۔ یہ تبصرہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :

انسانی ذہن کے ساتھ آدمی کے عقیدے اور مذہبی لگاؤ میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ عوام کے اس رجحان کو دیکھتے ہوئے اکثر لوگوں نے مذہب کا بیوپار شروع کر دیا ہے اور روحانیت کی تلاش کو توہم پرستی میں بدلنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ اس منفی ماحول میں کچھ حضرات انسان کی روحانی ضرورتوں کو معقول طریقے سے پورا کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں تاکہ قلب کی پاکی کے ساتھ ذہن بھی روشن ہو جائے۔ اس سلسلہ میں مولانا وحید الدین خاں کا نام سرفہرست ہے۔ وہ اپنے تیز مشاہدہ اور سلیس تحریر کے ذریعہ مذہب کی تبلیغ اس طرح کرتے ہیں کہ دنیا دار سے دنیا دار آدمی بھی ان کی باتوں اور دلائل کو ماننے پر مجبور ہوتا ہے۔ ہر چند وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ خوشگوار فرض انجام دیتے ہیں مگر ان کی بات ان کے دل کو بھی لگتی ہے جو روایتی طور پر اسلام کے پیروکار نہیں ہیں۔ اسی نیک کام کو آگے بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچانے کے لیے وحید الدین خاں صاحب اپنی مستقل تصنیفات کے علاوہ انگریزی اور اردو میں ماہوار الرسالہ تو پیش کرتے ہی رہے ہیں اب انھوں نے کیسٹ کے ذریعہ بھی یہ کام شروع کیا ہے۔ یہ کیسٹ جو ۲۵ روپے میں آتا ہے

ہر مہینہ آتا ہے۔ اس کی ششماہی اور سالانہ خریداری کا انتظام بھی ہے۔ سارے کیسٹ مولانا کی پُرتاثیر آواز میں اور کسی تکلف اور تصنع کے بغیر اس طرح پیش کیے جاتے ہیں کہ ایک بار سن لیجئے تو پورا سنے بغیر چارہ نہیں۔ مارشل لک لوہان نے پتہ نہیں کس ترنگ میں یہ کہدیا تھا کہ الیکٹرونک کی ترقی کے ساتھ چھپا ہوا لفظ مرجائے گا۔ مگر مولانا کے تبلیغی کیسٹ کو سننے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ سائنسی ایجادات سے ترسیل و ابلاغ کا زیادہ سے زیادہ مفید کام لیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کا انحصار استعمال کرنے والے کے حوصلہ اور نیت پر ہے۔ ظاہر ہے مولانا تحریر یا کیسٹ کے ذریعہ جو خدمت بھی کر رہے ہیں خلوص اور انسانیت کے جذبہ سے کر رہے ہیں۔ اس لیے جو لوگ اپنے دل میں انسانیت کی شمع جلائے رکھنا یا جلانا چاہتے ہیں انھیں مولانا کی تحریر اور تقریر (کیسٹ) سے فی الفور استفادہ کرنا چاہیے۔

۴۔ الرسالہ کے مضامین کثرت سے لوگوں کی زبانوں پر آکر بالواسطہ طور پر پھیل رہے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے مدرسہ کے شیخ الحدیث اپنی تقریروں میں آپ کی تصانیف کے اقتباسات پورے حوالے کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ میں نے ان سے آپ کی تازہ تصنیف "عظمتِ قرآن" کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ فوراً یہ کتاب منگوا کر مجھے دو۔ مجھے لیلۃ القدر کے موضوع پر ۲۶ رمضان کو مسجد میں تقریر کرنا ہے۔ اس سے پہلے میں اس کتاب کو پڑھنا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ اس موضوع پر کوئی نیا علمی مواد اسی کتاب میں مل سکتا ہے۔ (۱۷ مئی ۱۹۸۶)

۵۔ دوسرے متعدد اخبارات کی طرح بمبئی کے کثیر الاشاعت اخبار "انقلاب" نے بھی الرسالہ کے مضامین چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ مضمون "اوروں کی زبانی" کے عنوان کے تحت نقل کیا جاتا ہے اور بہت دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

۶۔ جناب خالد بن عمر (دبئی) الرسالہ انگریزی پابندی کے ساتھ منگا کر پڑھتے ہیں۔ ان کا خط مورخہ ۷ مئی ۱۹۸۶ موصول ہوا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

"AL-RISALA" is worth reading even for non-Muslims"
I always say the above to my selected friends.

۷۔ جناب ضیاء الدین بابا خانوف کا خط تاشقند (روس) سے موصول ہوا ہے۔ اس خط پر

۱۱ مئی ۱۹۸۶ کی تاریخ درج ہے اور اس میں ادارہ الرسالہ کو رمضان کے مہینہ کی مبارکباد دی گئی ہے۔ یہ خط " النظارۃ الدینیہ لمسلمی آسیا الوسطی وقازاقستان " کے پیڈ پر ہے جس کا صدر دفتر تاشقند میں ہے۔ ہمارے یہاں سے ان کو الرسالہ نہیں بھیجا جارہا ہے مگر خط پر نہایت صحت کے ساتھ وہ پتہ درج ہے جو انگریزی الرسالہ میں ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی الرسالہ کو اللہ تعالیٰ روس کے حدود کے اندر بھی پہونچا رہے ہیں۔

۸۔ اسلامی مرکز کی کتابیں خدا کے فضل سے ہر طبقہ میں مقبول ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک خط یہاں نقل کیا جاتا ہے : " آپ کی لکھی کتاب ' اللہ اکبر ' پڑھی۔ دنیا کے عجائبات دیکھ کر اس میں کھو جانے والے سب ہی ہیں لیکن عجائبات کو دیکھ کر ان میں نہ کھوتے ہوئے خدا میں کھو جانا خدا کو پالینا ہے۔ شکایت انسان سے ہے جو بڑا کاریگر ہے۔ وہ گنے کی گنڈیریوں کو چوستا ہے اور گانٹھوں کو کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔ ساہتیہ اور وگیان میں دھیرے دھیرے چھپی نافرمانیاں شروع ہو چکی تھیں جو آگے چل کر شاید ناستکتا کی شکل لے لیتی۔ آپ کی تیکھی نظر سے وہ نہ چھپ سکی۔ ایسی سب گانٹھوں کو آپ نے اس کتاب میں اکٹھا کر کے ان کو سب سے زیادہ رسیلا بنا دیا۔ گنے کے کھانے والوں کو لطف آگیا اور منہ سے نکل پڑا : اللہ اکبر کیا ذائقہ ہے ان گنڈیریوں میں جن کو ہم پھینکے چلے جارہے تھے۔ اس طرح کی اللہ کی تعریف میں ریت سے تیل نکالنے والی یہ پہلی بے مثال کتاب ہے۔ اس کی ہر سطر اور ہر سطر کا ہر لفظ تسبیح کے چھوٹے بڑے موتی ہیں۔ مالا پھیرنے والا خود کی آخرت پر نظر رکھتا ہے۔ یہ وہ مالا ہے جس نے دنیا کو آخرت سے جوڑ دیا۔ ہرے درختوں میں سے پیلے کو نیل پتے پھول پھل سب نے نکلتے دیکھا ہے۔ سوکھے درخت لہلہا اٹھیں یہ اس کتاب کا کمال ہے۔ ہر دین والا سب سے پہلے اللہ والا ہے۔ اللہ والا ہری ڈال ہے۔ ہری ڈال مڑنا جانتی ہے۔ لچیلی ہوتی ہے۔ اس کو پڑھ کر بے دین بادین ہو گیے اگر یہ کتاب ہندی میں آجائے تو ہزاروں بھولے بھٹکوں کو خدا کے انکار سے بچایا جاسکتا ہے۔
(پریم نارائن گپتا ایڈوکیٹ ، بھوپال)

۹۔ الرسالہ انگریزی خدا کے فضل سے باہر کے ملکوں میں پھیل رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف علاقوں سے خطوط آتے رہتے ہیں۔ ایک خط (۱۲ رجب ۱۴۰۶ ھ) نائجیریا سے موصول ہوا ہے۔ یہ پورا خط اگلے صفحہ پر نقل کیا جارہا ہے۔

Sa'adatu D Aiyu
Nigerian Television Authority
P.M.B. 3343
KANO

12 Rajab 1406 AH

The Editor
AL-RISALA
C-29 Nizamuddin West
New Delhi 110 013
India

Dear Brother,

I have had the unmistakably golden opportunity of coming across an issue of your publication AL-RISALA, March 1986, No 26 and I am highly well impressed. It was quite a rare experience to see such correct thought and belief in such Islamically profound, yet appealingly modern garb. It is indeed a decisive step in the cause of making Islam what is meant to be a universal religion. I prey to Allah for our continued enlightenment and guidance on His way.

I would please like to know the full details: its history, base, distribution, scope, programmes, plans and names of any other publications you might have besides the "Introduction to Islam Series". I would indeed like to join hands in the noble cause with you there but I would first of all like to know how I could subscribe to obtain copies for I know they will help me in my own efforts which I am currently making on some muslim and non-muslim brothers and sisters who are currently in the process of experiencing the light through my humble self. Your publications—AL-RISALA and the "Introduction to Islam series" would go a long way in complementing my own various efforts. Please acquaint me with all necessary and relevant information without delay.

Yours in God,

(Mrs) Sa'adatu D. Aliyu (NYSC)

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کار نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور صاحب ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴۔ صاحب استطاعت افراد کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کردیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵۔ ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

زر تعاون الرسالہ

زر تعاون سالانہ	۳۶ روپیہ
خصوصی تعاون سالانہ	۲۰۰ روپیہ

بیرونی ممالک سے

ہوائی ڈاک	۲۰ ڈالر امریکی
بحری ڈاک	۱۰ ڈالر امریکی

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول ایجنسی کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی - ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

الرسالہ

کیسٹ

ماہانہ کیسٹ سیریز

عصری اسلوب میں
اسلامی تعلیمات

مولانا وحید الدین خاں کی آواز میں

ہدیہ فی کیسٹ ۲۵ روپیہ	ششماہی (۶ کیسٹ) ۱۴۰ روپیہ	سالانہ (۱۲ کیسٹ) ۲۵۰ روپیہ
بیرونی ممالک سے ۵ ڈالر امریکی	۲۵ ڈالر امریکی	۵۰ ڈالر امریکی

مزید معلومات کے لیے لکھیں

الرسالہ کیسٹ

سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

AL-RISALA CASSETTE C-29 Nizamuddin West New Delhi 110 013

Regd. No. D(SE) 243
Regd. R.N. No. 28822/76

August 1986
Number 117

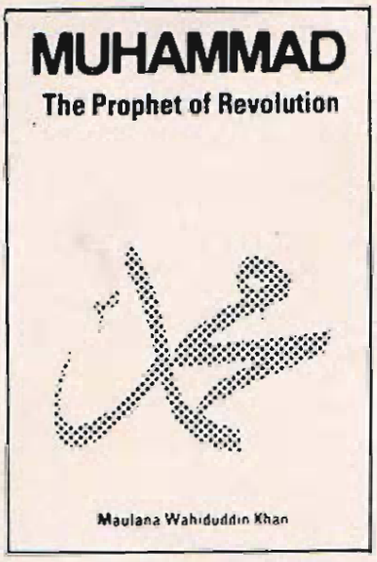

MUHAMMAD

The Prophet of Revolution

By

Maulana Wahiduddin Khan

In making the Prophet Muhammad the greatest figure, and consequently one of the most resplendent landmarks in human history, God has bestowed his greatest favour on mankind. Whoever seeks guidance cannot fail to see him, for he stands out like a tower, a mountain on the horizon, radiating light like a beacon, beckoning all to the true path. It is inevitable that the seekers of truth will be drawn up to the magnificent pinnacle on which he stands.

ISBN 81-85063-00-1 (PB Rs 50 $ 5)
ISBN 81-85063-07-9 (HB Rs 90 $ 9)

Maktaba Al-Risala
C-29 Nizamuddin West New Delhi-110013